کی دلہن

شیطان کی دُلہن

(پادری) سیموئیل ڈی۔ چند بی۔ اے۔ بی ڈی

تھیالوجیکل سیمنری۔ گوجرانوالہ

اگست ۱۹۷۳ء

بار اوّل　　تعداد ۱،۰۰۰　　قیمت تین روپے

انتساب

اپنے دوست یُوسف عمانوایل کے

نام

تعارف

پادری سموئیل۔ڈی۔چند ایک نوجوان ادیب و مترجم ہیں۔ اُنہوں نے زندگی اور زندگی کے حقائق کا بہ نظرِ غائر مشاہدہ و مطالعہ کیا ہے اور اُن کے قلمِ بیباک نے بے ساختہ گہرے اور عمیق تاثرات کو کتاب کے اوراق پر مرتسم کر دیا۔ حقائق شیریں و خوشگوار بھی ہوتے ہیں اور تلخ و دِل فگار بھی۔ وُہ امرت کے گھونٹ بھی ہوتے ہیں اور زہرِ ہلاہل کے جُرعات بھی۔ اُن کی ترجمانی و عکاسی ادیب کو رفعتیں بھی عطا کر سکتی ہے اور نکبت و ادبار بھی۔ لیکن ادیب ہمیشہ معاشرہ کی برائیوں، خامیوں اور کمزوریوں کی اِصلاح و دُرستی کے درپے، بدصُورتی و بدنمائی سے متنفر، عیوب و قبائح سے گریزاں اور اخلاقی گراوٹوں سے چیں بر جبیں ہوتا ہے۔ وُہ اپنے خُونِ جگر سے کشتِ معاشرہ سینچتا ہے تاکہ اُس میں خوشرنگ گُل بُوٹے اُگیں، سدا بہار کلیوں کی خوشبوئیں رقص کریں اور فضا خوش الحان عنادل کے نغموں سے گونجنے لگے۔

ممکن ہے کہ زیرِ مطالعہ کتاب ' شیطان کی دُلہن ' کے عنوان سے بعض اصحاب چونک اُٹھیں کہ الہام و مکاشفہ کی تاریخ میں یہ نام مرقوم نہیں اور علمِ دینیات اِس سے یکسر بے بہرہ۔ وہ کیا جانیں کہ ادیب کی چشمِ تخیّل ناممکن کو ممکن اور ممکن کو ناممکن کے رُوپ میں دیکھتی ہے۔ اُس کا تصوّر بے جان اشیاء کو جاندار قرار دے کر اُن سے محوِ گفتگو ہوتا ہے۔

ہر معاشرہ اِصلاح طلب ہوتا ہے اور ہر سوسائٹی میں ترقی کے امکانات موجود ہوتے ہیں۔ لیکن یہ اُسی صُورت میں ممکن ہے، جب اس کی کمزوریوں اور اُس کے نقائص کی کوئی نشاندہی کرنے والا بھی ہو۔ ' شیطان کی دُلہن ' اِس حقیقت کو آشکار کرتی ہے کہ شیطان شروع ہی سے مسیح خداوند اور اُس کی کلیسیا کا مخالف و دشمن رہا ہے۔ وُہ گُناہ کا سرچشمہ ہے۔ اُسی نے سرکشی و بغاوت کی رسمِ بد ایجاد کی۔ خُدا نے اِنسان کو پاک حالت میں پیدا کیا، مگر اُس نے غرور و دشمنی اور حسد کے باعث اُس کی فطرت میں بگاڑ پیدا کر دیا۔ کلیسیا کی زیبائی و رعنائی جو ایک کائناتِ نو ہے، اُسے ایک آنکھ نہ بھائی تو اس میں بدنمائی اور بدصُورتی یعنی ریاکاری دروغ گوئی و شرارت اور بے ایمانی و خیانت اور بدعت و آزاد خیالی کے عناصر داخل کر دیئے۔ مسیح خداوند و شیطان کی جنگ، بدی و نیکی کی پیکار اور تاریکی و نور کا مقابلہ مسلسل جاری ہے۔ ہر مُخلص مسیحی کا فرض ہے کہ وُہ مسیح یسُوع کو شیطان پر، نیکی کو بدی پر، اور نُور کو تاریکی پر غالب آنے کے سلسلہ میں ممد و معاون ہو۔ یہ اُسی صُورت میں حدِ امکان میں ہوگا کہ وُہ دِن کو دِن اور رات کو رات کہنے کی جُرأتِ رندانہ رکھتا ہو۔ ' شیطان کی دُلہن ' میں مُصنّف نے کلیسیائی معاشرہ کی خامیاں بے نقاب کرنے میں کسی گروہ یا جماعت پر بہ حیثیت مجموعی حملہ نہیں کیا۔ نہ اُسے کسی سے عناد و پرخاش ہے۔ وُہ امُور جن کا اُسے شخصی تجربہ ہے یا وُہ باتیں جو اُس کے مشاہدہ میں آئی ہیں یا وُہ باتیں جو حدِ امکان میں ہیں، اُن سب کو اُس نے بہ نظرِ اصلاح و بہبود اپنی تصنیف میں ظاہر و باہر کر دیا ہے۔

نہ تو کلیسیا کے افراد اِس جُرأتِ رندانہ سے چڑیں اور نہ مشنری صاحبان اِس سے بگڑیں کیونکہ عالمِ تخیّل میں ہر شے ممکن اور دُنیائے ممکنات میں ہر قسم کے امُور حدِ امکان میں ہُوا کرتے ہیں۔ گو تخیلات اور ممکنات کا عالمِ خارجی سے ایک گونہ رشتہ ہوتا ہے، واجب یہ ہے کہ چشمِ بینا اِس تصنیف سے عبرت حاصل کرے اور ہر کجی کو دُور اور ہر اُونچ نیچ راہ کو ہموار کرے۔ ' شیطان کی دُلہن ' کی الزنجتہ کو اگر کوئی رہبرِ کامل مِل جاتا اور اگر اُس کے سامنے اُس کا

ریاکار باپ معیاری و مثالی نمونہ پیش کرتا تو بہت ممکن ہے وہ اپنی دنیاداری اور نفسانی خواہشوں پر مسیح یسوع کو دوبارہ مصلوب نہ کرتی۔ بعینہٖ 'شیطان کی دُلہن' کا پاسبان جو پہلے مسیح خداوند کا وفادار خادم تھا، یک لخت گنج بادآورد کے حصوں سے سنگ دِل وبے رحم اور غفلت شعار بن گیا۔ وُہ پہلے سے جذبۂ ایثار سے اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کرنے لگا۔ اِس کے یہ معنی نہیں کہ دولت بذاتِ خُود بُری چیز ہے۔ نہیں وُہ نعمتِ خداوندی ہے۔ بشرطیکہ وُہ جائز طریقے سے حاصل کی جائے اور اُسے خُدا کے جلال اور خدمتِ خلق کے لئے استعمال کیا جائے۔

'شیطان کی دُلہن' کے پاسبان نے دولت سے متعلق غلط نظریہ قائم کرلیا۔ اور یہیں سے اُس کے گناہ اور بُرائی کی ابتدا ہوتی ہے۔ مصنف نے اِس حقیقت کی بھی توضیح کردی ہے کہ دین و مذہب میں آزاد خیالی کی گنجائش، وہی خیال یا نظریہ صحیح و برحق ہو سکتا ہے، جو مسیح یسوع کی تعلیمات اور کتابِ مقدس کے ترازو پر پُورا اُترے۔ لیکن اِس کے برعکس دیکھا یہ گیا ہے کہ جتنا کوئی شخص سطحی، کتابِ مقدس کی تعلیمات سے بے بہرہ اور فلسفیانہ گہرائی سے بے خبر ہو، اُتنا ہی وُہ آزاد خیال ماہرِ دینیات ہونے کا ڈھونگ رچاتا ہے۔

مصنف نے مشنری صاحبان کو ہدفِ ملامت نہیں بنایا۔ اُن کا دینی و روحانی جوش قابلِ تعریف اور اُن کی قربانی لائق تحسین۔ جس شئے سے اُن پر احتیاط لازم و واجب ٹھہرائی ہے وہ خوشامدی، ریاکار اور دروغ گو لوگوں سے محتاط رہنا ہے۔ کیس لئے کہ ایسے لوگ کلیسیا اور کلیسیا کے افراد کیلئے بیحد مُضر ثابت ہوتے ہیں۔ 'شیطان کی دُلہن' کا نووارد مشنری اگر الزبتھ کے باپ کی ریاکاری اور خوشامدانہ چالوں کو پہچاننے کی کوشش کرتا تو بہت ممکن ہے کہ نہ الزبتھ کے باپ کو شرم و ندامت اٹھانا پڑتی اور نہ الزبتھ اس راستہ پر چل کر نکل جاتی جس سے وُہ پھر کبھی پلٹ نہ سکی۔

جلیل

۱

سپنوں کی دُنیا میں کیا دیکھتا ہوں کہ خزاں نے کائنات کا لباس تار تار کردیا... اور کائنات ویران و سنسان ہوگئی... عنادل کے نغمے جاتے رہے... بادلوں نے اُس کی بے بسی پر آنسو بہائے اور اِن آنسوؤں نے اپنا رنگ دِکھایا... بہار کی آمد آمد ہوئی اور محروم کائنات کی آغوش میں ہزاروں رنگینیاں ابھرنے لگیں... لیکن یکایک کائنات کی اِن شادابیوں پر ظلمت کی گھٹائیں چھاگئیں، باطل کے اندھیرے بڑھنے لگے... اور یہ تاریکیاں اِس قدر ہولناک تھیں کہ میرا دِل دہلنے لگا۔ قریب تھا کہ میں مارے خوف کے چلّا اُٹھتا لیکن ابھی اِسی تردّد میں تھا کہ مجھے کسی قوّتِ غیبی نے جھنجوڑا اور میرے ذہن و قلب کو اپنے لطیف احساس سے سکون و اطمینان کی خبر دیتے ہُوئے وعدہ کیا کہ ہر گام پر وُہ میری راہنما ہوگی۔ میں نے ازراہِ تجسّس اُس سے پُوچھا

"اے قوّتِ غیبی! تو کون ہے... تیرا کیا نام ہے؟"

"اے آدم زاد! بس اِسی پہ قناعت کر کہ میں تجھے بتادوں کہ میں تیری راہنما ہوں گی۔"

نہ جانے راہنما کی آمد سے فضا تبدیل ہوگئی یا میری قوّتِ بینائی میں اضافہ ہوگیا کہ وُہ تاریک ماحول میرے لئے ہولناک نہ رہا بلکہ اُن تاریکیوں میں ہر ایک چیز مجھے صاف صاف دکھائی دینے لگی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ اِن تاریکیوں میں ایک عالیشان محل نمُودار ہُوا، جس کی بلندیوں کی اِنتہا، فضا میں سے ہوتی ہوئی آسمان تک جا پہنچی۔ اِس محل کی سج دھج اور فنِ تعمیر کی معراج اس کے مکینوں کی امارت کی غمازی کر رہے تھے۔ سوچا کہ جب محل اِتنا عظیم الشان ہے تو اِس کے رہنے والے نہ جانے کتنے امیر ہوں گے۔ جب نزدیک جاکر دیکھا تو معلوم ہُوا کہ یہ تو مکینوں سے خالی ہے لیکن اندرونی منظر کو دیکھ کر میری حیرت کی اِنتہا نہ رہی کہ دیواریں سونے چاندی کے کام سے مزّین ہیں۔ فرش

چاندی کا بنا ہُوا، اور اُس پر نرم و نفیس بیش قیمت قالین، در دانے زمرد و یاقوت سے منڈھے ہوئے شان و شوکت کی ایک بے نظیر مثال پیش کر رہے تھے۔ چھت پر انگاہ کی تو گلکاری کی عجب بہار تھی۔ ابھی اِس محل کی خوبصورتی سے محو تعجب تھا کہ میں نے دیکھا کہ محل کے عین وسط میں سونے کا ایک تخت بلند ہُوا، جسے سونے کے چار شیروں نے اُٹھا رکھا تھا۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا ماجرا ہے، چند ہی لمحوں کے بعد مشرقی دروازے سے ایک فرشتہ خوبرو محل میں داخل ہُوا، اور کچھ غیبی مترنم نسوانی آوازوں نے خوش آمدید، خوش آمدید کی صدائیں بلند کرتے ہُوئے اُس کا خیر مقدم کیا۔ انہی صداؤں کے جلو میں وہ فرشتہ تخت پر شاہانہ وقار سے بیٹھ گیا۔ ابھی وہ تخت نشین ہُوا ہی تھا کہ دو کانپتے ہُوئے ہاتھ اُس کے سر کی طرف بڑھے اور ایک سنہری تاج اُس کے سر پر رکھ کر اُسی طرح کانپتے ہُوئے محل کی فضا میں غائب ہو گئے۔ کچھ دیر تک وہ خاموش بیٹھا رہا لیکن کبھی کبھی اُس کی نگاہیں مغربی دروازے کی طرف اُٹھ جاتیں ... اِسی عالمِ انتظار میں اُس کی شکل بدلنے لگی، چہرے کی سرخی، سیاہی میں تبدیل ہونے لگی اور اُس کے خوبصورت نقوش پر ایک تیتناک کیفیت چھا گئی۔ اور اس کی بڑھتی ہوئی بیقراری سے میں نے محسوس کیا کہ شاید وہ کسی کے شدید انتظار میں ہے۔ آخر کار انتظار کی گھڑیاں ختم ہو گئیں اور اُس کا ہیبتناک چہرہ خوشی سے دمکنے لگا۔ مغربی دروازے سے ایک ماہ جبیں نمودار ہُوئی۔ زرق برق شاہانہ لباس میں ملبوس، ماتھے پہ ٹیکا، اور چہرے پہ غازہ لگائے دُلہن کی مانند لجاتی شرماتی ہُوئی شہنشاہ کے پہلو میں بیٹھ گئی۔ شہنشاہ نے اِس حسینہ کے ہونٹوں پر بوسہ دیا۔ کچھ دیر تک تو وہ ایک دوسرے کو پیار بھری نگاہوں سے تکتے رہے اور بعد اُس کے اُن دونوں میں راز و نیاز کی باتیں شروع ہو گئیں۔ ہر طرف ہُو کا عالم تھا۔ لیکن وہ دونوں ایک دوسرے کے کان میں کچھ کہہ کر اِس قدر بھیانک قہقہے لگاتے کہ فضا لرز اُٹھتی۔ کچھ نہ سمجھا کہ اُن کے درمیان کیا گفتگو جاری ہے۔ آہستہ آہستہ وہ اِدھر اُدھر دیکھ کر اطمینان

سے آزادی سے باتیں کرنے لگے۔ حیران تھا کہ یہ کون لوگ ہیں ... شاہانہ تمکنت کے یہ لوگ کہاں سے وارد ہُوئے ہیں؟ ان کا کیا نام ہے؟ ادھر میں بالکل تن تنہا تھا۔ کچھ یہ لوگ تھے بالکل اجنبی اور تھے بھی پُراسرار قسم کے، ان سے کیونکر پوچھتا اور ان کے علاوہ کسی اور دوسرے سے پوچھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ابھی میں اِسی پس و پیش میں تھا کہ میری راہنما نے میرا بازو جھنجوڑا۔ تب مجھے احساس ہُوا کہ مجھے فکر کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ میں نے پوچھا

"میری راہنما! مجھے بتا تو سہی کہ یہ کون لوگ ہیں؟ ان کا کیا نام ہے؟" ابھی وہ جواب بھی نہ دینے پائی تھی کہ ادھر محل سے کچھ آوازیں بلند ہونے لگیں۔

"شہنشاہ حضور! میں چاہتی ہوں کہ آج ہمارے سب بچے دربار میں حاضر ہوں تاکہ اُن کے کارناموں کو سُن کر اُن کی حوصلہ افزائی کریں اور اُن کو مزید مشورے بھی دیں"۔ اُس حسینہ نے مشورہ دیتے ہُوئے کہا۔

"بہت اچھا میری جان! تمہارا حکم سر آنکھوں پر، تمہاری کسی بھی بات کو ہم ٹھکرا نہیں سکتے"۔ شہنشاہ نے جواب دیا ... کچھ دیر خاموش رہا اور پھر حسینہ سے مخاطب ہُوا۔

"ملکۂ عالیہ! تمہیں وہ وقت یاد ہو گا جب میں نے اپنی زبان کے کلمہ سے تمہیں تخلیق کیا۔ خدا نے تخلیقِ کائنات کا کرشمہ دِکھایا تو میں نے اس مہکتے ہُوئے گلستان میں تمہیں اپنی زبان سے خلق کیا۔ اور اس کے بعد میں نے تمہیں اپنی دُلہن ہونے کیلئے منتخب کر لیا، اور ہمیشہ ہمیشہ کیلئے تم میری رفیقۂ حیات بن گئیں"۔

"میرے سرتاج! میں سب جانتی ہوں"۔ نازنیں نے جواب دیا

"تم یہ بھی جانتی ہو گی کہ خدا نے اپنے شاہکار کو عدن میں کائنات کو محکوم کرنے کیلئے مٹی سے خلق کیا ... اپنا دم پھونکا اور حکومت کرنے کیلئے اسے مقرر کر دیا ... اور پھر ہم دونوں بھی اُس

پتلۂ خاک کو زیر کرنے کیلئے چل نکلے ... ہاہاہا.... پگلا کائنات قدرت کا حاکم، چرند و پرند، فضا و خلا کا سردار خدا کے ہاتھوں کی تخلیق عدن میں خوش نہ تھا... کسی ساتھی کا تقاضا تھا اُس کے دِل میں، اَور خدا نے بھی فوراً اُس کی خواہش کو پُورا کر دیا"۔

"میرے مالک! مجھے سب یاد ہے اور مجھے وہ دِن اَور وُہ گھڑی بھی یاد ہے جب آپ نے مجھے آدم کی ساتھی کے پاس بھیجا اور جونہی میں نے اُس سے سلسلۂ گفتگو شروع کیا وُہ فوراً قائل ہوگئی اَور میرے ایک ہی چلمہ پر خُدا کی سب باتوں کو یکسر بھُول گئی۔" دُلہن نے شہنشاہ کی قطع کلامی کرتے ہُوئے کہا۔

"ہاں تو ملکۂ عالیہ! کسی کی خوش خلقی اَور فرمانبرداری کو بھلایا نہیں جا سکتا... اچھے لوگوں کو ہمیشہ اچھی یادوں سے پکارا جاتا ہے... گلستانِ عدن میں ہمارے اُن سے اچھے تعلقات رہ چکے ہیں"۔ شہنشاہ نے کہا۔

"اَور پھر جب خدا کے غضب کا نشانہ بن گئے... اور اُن کا خالق جب خود ہی اپنی مخلوق کو اپنی رفاقت سے باہر نکال پھینکنے کو تھا، تو ہم بھی اُن کے ساتھ عدن سے چل دیئے، اَور عدن سے باہر ہنسی خوشی دِن گذارنے لگے..." دُلہن نے کہا۔

"اُن کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ ہاں تو اُن کی اولاد میں سے بھی تو اکثر ہمارے تابع رہے ہیں"۔ شہنشاہ نے کہا۔

"میرے سرتاج! یہ سب کچھ ہمارے دیرینہ تعلقات کی بنا پر ہے۔ جب حضرتِ انسان کے آباؤ اجداد سے ہمارے اچھے تعلقات رہ چکے ہیں تو بچّے خود ہمیں عزت کی نگاہوں سے دیکھیں گے"۔

نہ جانے اُن کے دِل میں کیا آئی کہ دونوں یکایک خاموش ہوگئے۔ اَور مجھے اِس خاموشی کے دوران موقع ملا کہ اپنی راہنما سے معلومات حاصل کر سکوں۔

"میری راہنما! یہ کون لوگ ہیں؟" میں نے بہ اندازِ تجسس پُوچھا

"اے آدمِ خاکی! یہ شہنشاہ! خدائے قدُوس کا مخالف، اُس کا نافرمان، حیوانِ ملعُون ابلیس و شیطان ہے"۔

"شیطان و ابلیس اَور یہ سج دھج!" میں نے تعجب سے اِستفسار کیا۔

"اُس کی اِس جاہ و حشمت سے تعجّب کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ یہ ابلیس دُنیا کا سردار ہے۔ کوہ آزمائش پر اس کی شان و شوکت ہر انسان کو سجدہ کی دعوت دیتی ہے۔ اِس دنیا اَور اِس دُنیا کی شان و شوکت پر اُس کا بھی تسلّط ہے"۔ راہنما نے جواب دیا۔

"میری راہنما! مجھے ایک اَور بھید تو بتا۔ میں ابھی تک نہیں سمجھ سکا کہ جب یہ محل اِن خلاؤں میں بلند ہُوا تو اُس وقت یہ شہنشاہ خوبرو اور باوقار شخصیت تھا لیکن رفتہ رفتہ اُس کے حسین نقوش بدلنے لگے اَور اب اس کی صُورت اتنی مکرُوہ کیوں ہو رہی ہے؟" میں نے پُوچھا

"آدمِ خاکی! تجھے معلوم ہونا چاہیئے کہ خدائے قدّوس کا یہ چہیتا فرشتہ جس کا نام لُوسیفر تھا، شکل و صُورت میں خوبصُورت اَور فرشتوں کا سردار تھا۔ لیکن ایک دِن اُس کے جی میں آئی کہ "میں آسمان پر چڑھ جاؤں گا۔ میں اپنے تخت کو خدا کے ستاروں سے بھی اُونچا کروں گا، اَور میں شمالی اطراف میں جماعت کے پہاڑ پر بیٹھوں گا۔ میں خدا تعالیٰ کی مانند ہونگا"۔ اس کی خود پسندی اَور غرور سے اُس کا حسن جاتا رہا اَور یہ اُس کی ہیبتناک صورت اُسی گناہ کا نتیجہ ہے۔ اُس کے تکبّر نے اُسے یہ دِن دکھائے ہیں"۔ راہنما نے جواب دیا۔

"مگر یہ پستیوں میں گرا ہُوا بلندیوں کے تصوّر کو اپنے ذہن میں کیوں نہیں لاتا؟ یوں محسوس ہوتا ہے کہ اپنی اِس مکرُوہ صورت سے خوش و خرّم ہے..." میں نے پوچھا۔

"اے آدم زاد! اِسے گناہ کی سختی دل اَور ضمیر کی موت کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ان لوگوں کی قربت خدا سے ختم ہو گئی ہے، لیکن اس کس مپرسی کی حالت میں بھی خوش ہیں اور ایک وقتِ مقررہ تک یونہی ہنسی خوشی دن گذار دیں گے اور پھر انجام کار نارِ جہنم میں جلتے رہیں گے۔"

"اور یہ ملکۂ عالیہ کون ہیں ..... ان کا کیا نام ہے؟" میں نے استفسار کیا۔

"یہ ابلیس کی اہلیہ اُم العصیان ہے جس کا نام 'نافرمانی' ہے۔" راہنما نے جواب دیا۔

ابھی ہم اہلِ محل سے متعلق معلومات کے سلسلہ میں محوِ گفتگو تھے کہ اُدھر اُس شہنشاہ نے ایک خوفناک قہقہہ لگایا کہ محل کے در و دیوار ایسے ہلنے لگے جیسے آتش فشاں پہاڑ پھٹنے سے زمین ہچکولے کھانے لگتی ہے ... چند لمحوں تک وہ یونہی قہقہے لگاتا رہا اور وہ ماہ جبیں اُس کو یوں فاخرانہ انداز سے دیکھ رہی تھی جیسے اُس کا سرتاج کوئی بہت بڑا کارنامہ سرانجام دے رہا ہو۔ قہقہوں کی صدا ختم ہوئی اور وہ اپنی اہلیہ سے یوں گویا ہُوا۔

"جانِ من! آؤ تو آج میں تمہیں اپنا طریق کار اور کچھ بھید کی باتیں بتا دوں۔ شاید تم جانتی ہو کہ بنی نوع انسان کی خدمت کرنا میں اپنا فرضِ اولین سمجھتا ہوں۔ میری اسی میں راحت ہے کہ جہاں تک ہو سکے انسان کو خوش رکھ سکوں۔ خدا تو ہر وقت یہ چاہتا ہے کہ وہ زہد و عبادت کا گرویدہ، تعمیلِ حکم کا بندہ اور دُنیا و مافیہا سے الگ تھلگ رہے۔ میرا محاذ بالکل خُدا کے خلاف ہے کیونکہ میں یہی چاہتا ہوں کہ انسان میری صحبت میں خوش رہے۔ لیکن میرا مخالف ہمیشہ انسان کو وعدۂ فردا پر ٹالتا رہتا ہے۔ جنت میں یہ ہوگا، وہ ہوگا اور حال کی مسرتوں کا گلا گھونٹ کر مستقبل کی مسرتیں حاصل ہوں گی۔ میں نے کبھی بھی مستقبل سے سروکار نہیں رکھا بلکہ حال میں انسان کا دامن خوشیوں سے بھر دیتا ہوں۔ دنیا میں یہ رنگینی میرے ہی دم قدم سے ہے۔ فرض کریں اگر آدم بیچارہ ہمیشہ باغِ عدن میں درختوں کا پھل کھاتا رہتا تو اُس کی حیثیت محض تالاب کے مینڈک کی سی ہوتی۔ انسان کا ذہن کبھی بھی ترقی نہ کر سکتا۔ لیکن اس نام نہاد 'عدن' سے نکل

اُسے وہ چیزیں حاصل ہوئیں جو اُس کے خواب و خیال میں بھی نہ تھیں۔ اسی لئے تو بنی نوع انسان میرے حکم پر جان چھڑکتے ہیں۔ وہ خُدا کی باتوں کو یکسر بھول جاتے ہیں۔ وہ خُدا کی باتوں کو کوئی وقعت نہیں دیتے، کیونکہ وہ اس میں کسی قسم کا سامانِ عیش نہیں دیکھتے بلکہ اُسکے حکم تو عیش و طرب کے گلے پہ چھری کا کام دیتے ہیں۔ بدیں وجہ وہ خدا سے متنفر اور میرے گرویدہ ہیں، اور بعض ایوب جیسے میرے احسان فراموش بھی ہیں۔ اگر وہ میرے مشورہ پر عمل کرتا تو اُسے اتنی تکلیف نہ ہوتی لیکن اُس نے میرے مشورہ کو کوئی اہمیت نہ دی۔ اس لئے اُسے اولاد اور دولت دونوں سے ہاتھ دھونا پڑا۔ بعض ایک نہ صرف احسان فراموش ہیں بلکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں محض جھک مار رہا ہوں۔"

"مثلاً کون؟" اُس کی اہلیہ نے مداخلت کرتے ہُوئے کہا۔

"وہی یسُوع ناصری ...!" اُس نے حقارت سے کہا۔

"میرے راجہ! اُس نے کیا کہا تھا؟"

"ہُوا یوں کہ ایک دن جب وہ بیابان میں تھا تو میں یسوع کو پہاڑ پر لے گیا اور وہاں میں نے اُسے تمام دُنیا کی شان و شوکت دکھائی اور میں یہ سب کچھ ایک سجدہ کے عوض اُس کے حوالہ کر دینے کو تیار تھا اور اُس نے مجھے یہ کہہ کر ڈانٹ دیا "اے شیطان دُور ہو"۔ خیر میرا تو کچھ نہیں بگڑا۔ وہ نہیں اور سہی، اور نہیں اور سہی۔ چلو اُس کے پیروکاروں میں سے تو اکثر اس دنیوی شان و شوکت کیلئے مجھے خوشی سجدہ کر دیتے ہیں۔ اور پھر دنیا اُن کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتی ہے۔"

ابھی ابلیس کی لاف زنی اور مخالفانہ گفتگو جاری تھی مگر میں نے محل کے بیچ میں کچھ متحرک چیزیں دیکھیں۔ ان تمام پُراسرار مناظر سے میں حیران تھا کہ یہ سب کچھ کیا ہے ... دیکھا تو متحرک

چیزیں چاندی کے تخت تھے، جو محل میں اُبھرنے لگے۔ لیکن اُن کی اونچائی شہنشاہ کے سنہری تخت سے کچھ کم تھی۔ مگر یہ تخت خالی تھے۔ ان خالی تختوں کا وجود سمجھ میں نہ آیا... چند ہی لمحوں کے بعد عقبی دروازے سے کچھ حسین جوانیاں اندر داخل ہُوئیں۔ ایک ساتھ دروازے کے اندر قدم رکھتے ہُوئے شہنشاہ اور ملکۂ عالیہ کو سلام کیا اور اُن دونوں نے مسکراتے ہُوئے اُن کے سلام کا جواب دیا۔ پھر بادشاہ اور ملکۂ دونوں اپنے تخت پر سے اترے اور اِن نوواردوں کو یکے بعد دیگرے بوسے دے کر چاندی کے تختوں پر بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔ میرا اندازہ تھا کہ یہ نووارد چند نوجوان اور چند حسین دوشیزائیں بیس اور بائیس سال کی عمر کے لگ بھگ تھے۔ نوجوانوں کے چہروں سے شہزادوں کا سا وقار نمایاں تھا اور یہ الہڑ جوانیاں اپنے بناؤ سنگار اور جاہ و جلال سے شہزادیاں معلوم ہوتی تھیں۔ یہ سب بادشاہ کے کہنے پر اپنے تختوں پر براجمان ہو گئے۔ محل کے اِس ماحول پر ایک بار پھر خاموشی چھا گئی... ایک گمبھیر سناٹا چھا گیا۔ صرف اِس تاریک ماحول میں باہر سنسناتی ہُوئی ہوا کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ اِس خاموشی کو ملکہ نے توڑتے ہُوئے کہا۔

"سناؤ بچو! خیریت سے تو ہو۔"

"جی ہاں امی جان! آپ کی دعاؤں سے ہر بلا سے محفوظ ہیں"۔ سب یک زباں ہو کر بولے۔

"کسی قسم کی کوئی تکلیف ... کوئی پریشانی تو نہیں"۔ ملکہ نے پوچھا۔

"امی جان! آپ کو معلوم ہے کہ یہ زندگی تکلیفوں اور پریشانیوں سے عبارت ہے۔ اگر کہیں جب فتوحات ہوں تو خوشیوں سے ہمارا دامن بھر جاتا ہے اور اِس کے برعکس جب شکست کا مُنہ دیکھنا پڑے تو جی ہی جی میں جل جاتے ہیں"۔ اُن میں سے ایک نوجوان نے

نمائندگی کرتے ہُوئے کہا

"زندگی کے دو ہی تو پہلو ہیں، ایک شکست دوسری فتح۔ لیکن ہمارا کام یہ ہے کہ ہم اپنے عزائم میں اِتنے پختہ ہوں کہ شکست کو نظر انداز کرتے ہُوئے فتوحات کی طرف قدم بڑھاتے چلے جائیں"۔ ملکہ نے حوصلہ افزائی کرتے ہُوئے کہا۔

ابھی وُہ یہ کہنے ہی پائی تھی کہ محل کے باہر طوفانِ باد و باراں کا شور اُٹھا۔ ہوا کے زور سے درختوں کے ٹوٹنے سے فضا میں دہشت کا اضافہ ہو گیا۔ بجلی کی کڑک اور بادلوں کی گرج سے دِل دہل کر رہ جاتا۔ لیکن اہلِ محل بالکل اطمینان سے بیٹھے رہے۔ اُن میں سے کوئی بھی تو پریشان نہ ہُوا۔ پھر دوسری بار میں اِس غیظ و غضب اور فضا کی تندیوں سے مجبور چلانے کو تھا کہ راہنما نے میرا ہاتھ تھام لیا اور میری جان میں جان آ گئی۔

اُن کی ہر وقت یہی اُمید ہوتی ہے کہ اُن کے بچے ماں باپ کا نام روشن کریں۔ بیٹے آج ہم سب تمہارے ماضی کی روئیداد سننا چاہتے ہیں کہ تم نے کون کونسے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔" ابلیس نے کہا۔

"ابا حضور! میری داستان ایک طویل داستان ہے۔ لیکن اِس وقت صرف چند ایک واقعات پر قناعت کروں گا۔" نوجوان نے جواب دیا۔

"جیسے تمہاری مرضی" ملکہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"امی جان! جبھی میں نے آپ کی کوکھ سے جنم لیا تو جہاں تک میری یادداشت کام کرتی ہے، میں نے ایامِ بچپن میں ہی کافی حد تک ہاتھ پاؤں مارنا شروع کر دیئے تھے اور جب میں نے ہوش سنبھالا تو میری داستان میں دو بھائیوں کے کردار اُبھرتے ہیں۔ اُن میں سے ایک تو دھرتی کا سینہ چیر کر فصل اُگاتا، خون پسینہ ایک کر کے اپنی روزی حاصل کرتا، اور دوسرا بھیڑوں کا چرواہا تھا۔ وُہ ہری ہری چراگاہوں میں اپنے گلّہ کیلئے خوراک کا اہتمام کرتا اور جب انہیں پیاس لگتی تو ہانک کر چشمہ کے پاس لے جاتا اور اگر کبھی کوئی درندہ اُس کے گلّہ پر حملہ کرتا تو خود ڈٹ کر اُس کا مقابلہ کرتا۔ کوئی بھیڑ بھٹک جاتی تو جہاں تک اُسے جانا پڑتا، جاتا اور اپنی بھٹکی ہوئی بھیڑ کو گلّہ میں واپس لے آتا۔ زندگی کے دِن بیت رہے تھے۔ ایک دِن دونوں کے جی میں آئی کہ خُدا کے حضور اپنی محنتوں کا پھل ہدیہ کے طور پر لے جائیں۔ میں نے اُس کاشتکار کو یہ پٹی پڑھائی کہ وُہ ناقص قسم کا اناج خدا کے حضور میں لے جائے۔ لیکن دوسرے پر میرا وار نہ چل سکا... وُہ میرا نافرمان نکلا، اُس پر میری تدبیریں کارگر ثابت نہ ہوئیں۔ وُہ ڈھیٹ قسم کا اِنسان اپنے ریوڑ میں سے ایک پلا ہوا، بچھڑا لے کر اپنے خُدا کو خوش کرنے کے لئے چل دیا۔ میں نے بھی سُن رکھا تھا کہ یہ خبطی اِنسان اپنے خالق کو خوش کرنے کیلئے بیچارے جانوروں کا

٢

میری نگاہیں محل میں مزید کسی تجسّس میں تھیں کہ دیکھوں اب یہ لوگ کیا کرتے ہیں۔ کیا دیکھتا ہوں کہ چاندی کے تختوں پر بیٹھے ہوؤں میں سے سب کی نگاہیں ایک نوجوان پر مرکوز تھیں۔ آنکھ جھپکتے ہی اُس کی حالت تبدیل ہو گئی۔ اُس کا شاہانہ لباس غائب ہو گیا اور اب وُہ سر پہ خود پہنے، ہاتھ میں تلوار تھامے اور پہلو میں خنجر لٹکائے ہوئے تھا۔ آنکھوں سے اُس کے وحشت ٹپک رہی تھی۔ ماتھے پہ شکنیں اور چہرے کی سُرخی اُس کے انتہائی غصّہ کی غمازی کر رہی تھیں۔ مُنہ سے تھوک ٹپک رہا تھا... بولنے کی کوشش کرتا لیکن غصّہ کی اِنتہا سے اُس کی زبان لرز جاتی۔ مُٹھیاں بھینچ کر کچھ کہنا چاہتا لیکن شدّتِ جذبات سے اُس کی زبان گُنگ ہو کر رہ جاتی۔ تخت پر اِس زور سے اپنا پاؤں پٹکا کہ تخت ہلنے لگا۔ کچھ دیر کے بعد اُس کی حالت سنبھلی اور وُہ تخت پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا اور پھر تمام اہلِ محل پر ایک نظر ڈالی اور شہنشاہ سے مخاطب ہُوا۔

"ابا حضور! آج ہماری خوشی کی اِنتہا نہیں کہ آپ نے پھر ہمیں یاد فرمایا... یہ رفاقت یہ قربت اور خاندان کی یہ گہما گہمی دیکھ کر میرا تو دِل باغ باغ ہُوا جاتا ہے..."۔

"ہاں بیٹے کتنے ہی دن ہوگئے تھے، دیکھنے کو جی چاہتا تھا... تصوّرات میں آنکھوں کے سامنے تمہاری صُورتیں پھرتی رہتی تھیں۔ سوچا کہ آج تم سب کو بلا کر تمہارے ماضی و حال کی سرگرمیوں کا حساب کریں۔" شہنشاہ نے کہا۔

"بہت بہتر ابا جان!" نوجوان نے جواب دیا۔

"بیٹے جب جنم پا کر جوان ہو جائیں تو ماں باپ اُن سے عظیم کارناموں کی توقع کرتے ہیں

لہُو بہاتا ہے تاکہ اُسے خدا کی قربت حاصل ہو جائے... ہا ہا ہا دیوانہ اَور احمق انسان خُدا کو خوش کرنے کیلئے رشوت دیتا ہے۔ جب یہ جیروا ہا خُدا کے حضُور اپنی رشوت کو لے کر پہنچا، تو دُنیا کا خالق اپنی مخلوق سے ہدیہ وصول کر کے خوش ہو گیا لیکن دوسرے کاشتکار بھائی کی ناقص رشوت سے خوش نہ ہُوا...“

ابھی اُس نوجوان کی گفتگو جاری تھی کہ ایک دراز قد ادھیڑ عمر شخص، ہاتھ میں عصا اٹھائے میزان دوسرے ہاتھ میں لئے ہُوئے داخل ہُوا اَور بڑی بلند آواز سے اہلِ محل سے مخاطب ہُوا

”اے اِس محل کے ساکنو! کان کھول کر سُن لو، یہ غلط بیانی ہے۔ خدا اپنے بندوں سے ہدیہ کی صُورت میں رشوت نہیں لیتا... یہ ہدیہ محبّت اَور پیار کی نشانی ہے۔ جس طرح باپ اپنے معصوم بچّے سے ایک نوالہ ہی لے کر خوش ہو جاتا ہے، اِسی طرح خالق کو اپنی مخلوق کے ہدیہ کا انتظار رہتا ہے تاکہ اُس کے پیار کا اندازہ کر سکے....“ ابھی وُہ یہ کہنے ہی پایا تھا کہ شہنشاہ نے آگ بگولا ہو کر حُکم دیا۔

”نکال دو اِس کمینے رذیل کو، اِس کا ہماری محفل میں کیا کام... دھکے دے کر محل سے باہر کر دو“۔

اِس حکم کے سُنتے ہی اُس کے تمام بچّے اپنے اپنے تخت پر سے اُترے اَور اُس شریف الطبع انسان کو زبردستی پکڑ کر اُس کے مُنہ پر تھُوکا... چند ایک نے تھپڑ بھی رسید کیئے اَور ذلیل و خوار کر کے مشرقی دروازے سے باہر دھکا دے دیا۔ وُہ لڑکھڑاتا ہُوا دُور جا گرا اَور حسرت بھری نگاہوں سے اِس محل کی عظمت اَور محل کے مکینوں کی ذلالت کو دیکھ کر زار زار آنسُو بہانے لگا۔ میں نے اِسی اثنا میں اپنی راہنما سے پُوچھا۔

”میری راہنما! یہ بیچارہ کون ہے جو اِتنی بے عزتی اَور ذِلّت کے باوجود بھی خاموش ہے؟“

”آدم خاکی! یہ بیچارہ اِنصاف تھا جس کی حقیقت پسندی کی اِس دربار میں کوئی شنوائی نہیں... ہاں تو خاموش ہو جاؤ، وُہ اہلِ محل پھر محوِ گفتگو ہونے کو ہیں“۔ راہنما نے اپنی اُنگلی مُنہ پر رکھتے ہُوئے کہا۔

کیا دیکھتا ہوں کہ پھر وہی نوجوان جو اپنی داستان سُنا رہا تھا، یوں مخاطب ہُوا۔ ”...اِس بدتمیز نے ہماری گفتگو کا مزا کِرکرا کر کے رکھ دیا لیکن وُہ دیکھو اپنی بے جا مداخلت کا خمیازہ بھگت رہا ہے.... ہاں تو میں بتا رہا تھا کہ خُدا دونوں بھائیوں میں سے اُس کاشتکار کی رشوت سے خوش نہ ہُوا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اُس بیچارے کا نام قائن تھا۔ میں نے اُس کے دِل میں حسد کی آگ بھڑکا دی۔ اُس کا مُنہ بگڑنے لگا... اُس کے جذبات مشتعل ہو گئے اور وُہ ایک آنکھ بھی اپنے بھائی کو نہ دیکھ سکا۔ اُس کا بھائی ہابل ایک شب اپنے انجام سے بے خبر پڑا کھیت میں سو رہا تھا۔ اُس کے خواب و خیال میں بھی نہ تھا کہ اُس کے ساتھ کیا ہوگا... اُسے اپنی تقدیر کا کچھ علم نہ تھا۔ قائن اپنے دِل میں حسد کی آگ لئے ہُوئے کھیت کی طرف روانہ ہُوا۔ کوئی بھی اُسے روکنے والا نہ تھا۔ وُہ اپنے دِل میں ایک عزم لئے ہُوئے منزل کی طرف رواں دواں تھا۔ منزل آ گئی اَور اُس نے اپنے ہاتھوں سے خدا کے چہیتے ہابل کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ مقتول کا خون زمین پر بہنے لگا اَور میں نے فضا میں فتحمندی کا نعرہ لگایا اَور میں نے بنی نوعِ انسان کے سامنے اپنے چہرے سے نِقاب اُٹھاتے ہُوئے کہا۔ اے انسان! پہچان لے مجھے ظُلم کہتے ہیں... ظُلم جس نے اپنی فتوحات کی ابتدا خاندانی رشتہ کے خوُن سے کی کہ خون نے اپنے ہی خوُن کا خون کر دیا۔ کائنات نے لہُو کا رنگ دیکھا اَور سوگوار ہو گئی اَور ابا حضُور! میں نے آپ کے مخالف خدائے خالق کو بتا دیا کہ اُس کی مخلوق ہمارے ہاتھ میں ہے... اُس کا ذہن ہمارے ہاتھ میں ہے... اَور اُس کے جذبات پر ہم قابض ہیں۔ فتح کِس کی ہے، خدا کی یا ہماری؟ خدا کا پرستار پچھاڑ کھا کر زمین

پر چیت پڑا ہُوا ہے اُور ہمارا پیروکار بڑی گستاخی سے اپنے خدا کو کہتا ہے "کیا میں اپنے بھائی کا محافظ ہُوں"؛ مخلوق اپنے خالق کو کس قدر باغیانہ جواب دیتی ہے۔۔۔ اُسی خالق کو جس نے اُسے پیدا کیا۔۔۔ جس کے لئے اُس نے باغِ عدن کی تخلیق کی اُور جس نے ہر گاہ اُس کی خوشی کو پُورا کرنے کی کوشش کی لیکن اِس تمام لاڈ پیار کے باوجود فتح ہماری ہے"۔

ظلم نے اپنی اِس داستان کو ختم کیا اُور سارا محل تالیوں کی آواز سے گونج گیا اُور بہت خوب! بہت خوب اُور شاباش کی آوازیں ہر طرف سے آنے لگیں۔ فتحمندی کے نعروں کی صدا کم ہُوئی تو شہنشاہ مسکراتے ہُوئے ظلم سے مخاطب ہُوا۔

"میرے بیٹے! ہمیں تُم سے یہی توقع تھی۔ تمہارا یہ ابتدائی حملہ ہی رہتی دُنیا تک یاد رہے گا کہ تُم نے خدا کے نام لیوا کو پچھاڑ کے رکھ دیا۔ ہاں تو اِس کے علاوہ کُچھ اُور سناؤ۔ تمہاری داستان دلچسپ اُور حقائق سے بھرپُور ہے۔۔۔ کُچھ اُور سُنا کر ہمارے حوصلے بُلند کرو"۔

"میری امی جان، ابا محترم اُور میرے بھائیو اُور بہنو! اِس حوصلہ افزائی اُور قدر دانی کیلئے شکریہ۔ جب میں نے ظُلم و تشدّد کی داستان کو بُری خُو کے قلم اُور لہُو کی سیاہی سے صفحۂ ہستی پر لکھنا شروع کیا تو اِس داستان میں کبھی چنگیز خاںؔ کی خونریزی اور ہلاکو خاںؔ کی ظالمانہ فطرت کا کردار اُبھرا۔ کبھی فلستیوں نے خدا کی برگزیدہ قوم پر تشدّد کی ٹھانی اُور کبھی ہٹلر نے اپنے ہاتھ دشمن کے خون سے رنگ لئے۔ اب تک اِس دُنیا میں ظُلم کی کتنی ہی داستانیں ہیں۔ کونسی داستان بیان کروں اُور کونسی نہ بتاؤں۔۔۔ میں نے اِنصاف کا خُون کر دیا۔۔۔ اُور میری وحشت و بربریت سے اہلِ امن لرزنے لگے"۔

"میرے عزیز فرزند! ہم تمہاری اِن کارکردگیوں سے خوش ہیں اُور ہم اِن کارناموں پر نازاں ہیں۔ لیکن اِن کے علاوہ ہماری خاص دلچسپی اِس میں ہے کہ تُم نے ہمارے دشمن یسُوعؔ ناصری

کے خلاف کیا کیا؟" شہنشاہ نے فرطِ محبت سے کہا۔

"ہاں تو بہت اچھا موضوع چھڑ گیا۔ یسوعؔ ناصری خدائے قادر، ابدیت کا باپ، سلامتی کا شہزادہ، خدا کا بیٹا بھی میرے نشانہ سے نہ بچ سکا۔ ابا حضور! ابھی اُس نے جنم ہی لیا تھا کہ میں ایک ظالم بادشاہ کے ذہن میں سما گیا اُور اُسے تحریک دی کہ "اے بادشاہ! بچالے اپنے تخت و تاج کو، کوئی سدِباب کرلے، کہتے ہیں کہ یہودیوں کا بادشاہ پیدا ہو گیا ہے۔۔۔ اُور اگر کسی ایسے بادشاہ نے جنم ہی لیا ہے تو تیری سلطنت خطرہ میں ہے کہ نو مولود بادشاہ کسی دن تیرے تخت پر بھی اپنا ہاتھ صاف کرے گا اُور تو معزول ہو کر اپنی قدر و منزلت کھو بیٹھے گا۔ کہاں رہے گا تیرا شاہی وقار اُور حاکمانہ اِختیار؟ کون تیرے شاہی حکم کی پرواہ کرے گا؟ یاد رکھ اگر تُو نے اُس کا ابھی سے قلع قمع نہ کیا تو تیرا مستقبل تاریک ہو کر رہ جائے گا"۔ میرے اتنے سے اِشتعال سے وُہ بادشاہ اُٹھ بیٹھا اُور اپنے کوتوالوں کو حکم دیا کہ "بیت اللحم اُور اُس کی سب سرحدوں کے اندر کے اُن سب لڑکوں کو قتل کروا دو جو دو دو برس کے یا اِس سے چھوٹے ہیں"۔ کوتوالوں نے شاہی حُکم سُنا اُور اپنی تلواریں لے کر اِس حُکم کو عملی جامہ پہنانے کیلئے چل دیئے تاکہ یسُوعؔ کا بھی سر قلم ہو جائے۔ یہ جلاّد بچّوں کو زبردستی ماؤں کی گودوں سے چھینتے اُور تلوار کے ایک ہی وار سے ماؤں کے یہ لختِ جگر خوُن میں تڑپنے لگتے اُور میں کھڑا تماشہ دیکھتا رہا۔۔۔ خون کے دھارے کو دیکھ کر میرے دِل کو ایک عجیب سا سکون مِل رہا تھا۔ کتنے ہی بچّے موت کے گھاٹ اُتار دیئے گئے، لیکن ہمارے دشمن خدائے خالق نے یسُوعؔ ناصری کو یوں بچا لیا کہ دوسرے شہر میں بھیج دیا۔ اُور وہاں پر میرا منصُوبہ خاک میں مِل کر رہ گیا۔ وُہ بچ گیا لیکن میرا عزم اِتنا بلند تھا کہ میں نے حوصلہ نہ ہارا۔

ایک دفعہ اُسی یسُوعؔ کو جوانی کے ایام میں ہیکل میں اپنے ظُلم کا نشانہ بنانے لگا مگر وُہ وہاں

سے بھی ٹل گیا۔ لیکن میری چالوں کے سامنے اُس کی ایک نہ چل سکی۔ میں نے یہودی قوم کے مذہبی راہنماؤں کو اُس کے خلاف مشتعل کر دیا اور کہا "دیکھو! تو جہاں اُس کا پیرو ہو چلا اور تم سے کچھ بن نہیں پڑتا"۔ ان سردار کاہنوں کے دل میں حسد و انتقام کی چنگاریاں سلگنے لگیں۔ اکثر میں ان چنگاریوں کو ہوا دیتا اور یہ چنگاریاں ایک دن آگ کے شعلے بن کر منظرِ عام پر آ گئیں۔ میری تدبیریں کارگر ہونے لگیں... وہ یسوعؔ جو ہر گاہ مجھ سے بچ نکلتا تھا آخر ایک دن میرے ہتھے چڑھ گیا۔ سب سے پہلے تو میں نے خدا کے بیٹے کو یوں گرفتار کروایا گویا کہ وہ ایک ڈاکو ہے۔ اُسے کوڑے لگوائے اور میری ہی شہہ پر لوگوں نے اُس کے مُنہ پر تھوکا، لعن طعن کی اور جہاں تک ذلیل ہو سکا اُس یسوعؔ ناصری کو ذلیل کر دیا۔ لیکن میری اِس سے بھی تسلی نہ ہوئی۔ ابھی میرا دل اُس کی تضحیک و تذلیل سے ٹھنڈا نہ ہوا تھا۔ اُس پر مقدمہ چلایا گیا اور اُس کے مخالفین منصف سے التجا کرنے لگے "اِسے صلیب دے.. صلیب دے"۔ آخر کار منصف کو عوام کی مرضی کے سامنے جھکنا پڑا اور میں نے ایک بھاری صلیب یسوعؔ کے کندھوں پر لاد دی۔ خدا کے بیٹے! سلامتی کے شہزادہ کی آج اپنی سلامتی خطرہ میں تھی۔ وہ چلتا گیا لڑکھڑاتا ہُوا، بوجھ سے دبا ہُوا گلگتہ کے مقام پر پہنچ گیا۔ میرے حمائیتوں نے وہ صلیب اُس سے لے لی۔ اُس کے کپڑے اتارے، اُن پر قرعہ ڈالا اور اُسے صلیب کے ساتھ کیلوں سے جڑنے لگے، کانٹوں کا تاج 'یہودیوں کے بادشاہ' کے سر پر پہنا دیا گیا۔ یسوع کے دشمنوں نے اُسے صلیب پر نصب کر کے، صلیب کو چٹان میں گاڑ دیا۔ میں نے ایک منچلے سپاہی کو حکم دیا کہ اُس کی پسلی میں نیزہ گھونپ دے۔ سر سے لہُو بہہ رہا تھا... اور بہتا ہُوا پسلی کے لہُو سے مل گیا اور یہ لہُو کی دھارا پاؤں تک چلی گئی۔ لہُو بہتا رہا اور خدا کا بیٹا کمزور ہوتا گیا اور وہ وقت آیا کہ اُس نے دم توڑ دیا اور میں نے قہقہہ لگایا کہ "خُدا کے بیٹے! تُو نے اوروں کو تو بچایا لیکن اپنے

تئیں بچانے کی سکت تجھ میں نہیں تھی"۔ یسوعؔ مر گیا اور میں نے اُسے قبر کے اندر بند کر کے اوپر بھاری پتھر رکھ دیا اور پتھر پر مُہریں لگا دیں... مہریں لگا دیں... لگا دیں... لگا دیں"۔

ظُلمؔ کی آواز لڑکھڑانے لگی، سر ایک طرف کو جُھک گیا اور یوں محسُوس ہو رہا تھا کہ اب وہ دم توڑ رہا ہے۔ اُس کے حواس قائم نہ رہے، ہاتھ اُس کے اینٹھنے لگے، مُنہ سے جھاگ بہنے لگی اور نیچے کے دانت اُوپر کے دانتوں سے مضبوطی سے جُڑ گئے۔ شہنشاہ اور ملکہ دونوں تڑپ کر تخت سے نیچے اُترے، ماں نے بیٹے کو سنبھالا اور اُس کا سر گود میں رکھ کر دھاڑیں مار کر رونے لگی۔ ماں کو روتا دیکھ کر بہنیں بھی بین کرنے لگیں۔ محل میں ایک کُہرام مچ گیا۔ یہ ہنستی کھیلتی محفل ایک پل میں آہ و بکا میں بدل گئی۔ کوئی اُس کے ہاتھوں اور پاؤں کو دبا رہا تھا۔ ایک دوشیزہ اُٹھی... اپنے آنسو صاف کئے اور چلّو میں لہُو لا کر 'ظُلم' کے مُنہ میں ڈال دیا۔ لہُو کا مُنہ میں جانا تھا کہ اُس کے پاؤں کو جُنبش ہُوئی، پھر جسم کانپنے لگا۔ اور آنکھیں کھول کر سب اہلِ محل کو حیرت بھری نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ ماں بیٹے کو ہوش میں دیکھ کر دیوانہ وار اُس کا مُنہ چُوم رہی تھی، بہنوں اور بھائیوں کی خوشی کی اِنتہا نہ تھی۔ شہنشاہ نے سہارا دے کر بیٹے کو تخت پر بٹھایا اور سب دوسرے بھی اپنے اپنے تختوں پر بیٹھ گئے۔ بادشاہ نے بیٹے سے پُوچھا۔

"کیا ہُوا تھا بیٹے؟"

"ابا حضُور! وُہی یسوعؔ جسے میں نے دفن کر دیا تھا، قبر پر پتھر رکھ کر مُہریں لگا دی تھیں تاکہ خُدا کا بیٹا قبر کے اندر خاک کے ساتھ خاک ہو جائے۔ لیکن وُہ جی اُٹھا... جی اُٹھا... موت اور قبر کے بندھن توڑ کر زندہ ہو گیا اور میری ساری محنت رائیگاں گئی"۔ ظُلم نے کانپتی ہُوئی آواز میں جواب دیا۔

"بھائی جان! کیا اب آپ اُس پر ہاتھ نہیں ڈال سکتے؟" ایک دوشیزہ نے اُس سے پُوچھا

"کیسے ہاتھ ڈالوں... اُسے پھر کیونکر ظُلم کا نشانہ بناؤں، وُہ تو موت کو فتح کر کے، زندہ ہو کر اب آسمان پر خُدا کے دہنے ہاتھ بیٹھا ہُوا ہے... وہاں تک میری رسائی ناممکن ہے"۔ ظُلم نے مایُوسی سے کہا۔

"اُٹھو بیٹا! جوانمرد حوصلہ نہیں ہارا کرتے۔ مردوں کا کام دِل چھوڑ دینا نہیں، اپنے گھٹنوں کو مضبوط کرو، اگر یسُوعؔ پر ظُلم نہیں کر سکتے تو جاؤ اُس کی کلیسیا میں اور ظُلم کی تصویر میں خون سے رنگ بھر دو اور جتنی بھیانک تصویر ہو سکے، بنا ڈالو"۔ شہنشاہ نے حوصلہ افزائی کرتے ہُوئے بیٹے سے کہا۔

"بہُت بہتر ابا حضور! شکریہ اِس مشورہ کا لیکن اِس پر تو میں پہلے سے ہی عمل پیرا ہوں۔ میں نے سُن رکھا تھا کہ یسُوعؔ کے یہ نام لیوا اُس کا بدن اور اُس کی کلیسیا کہلاتے ہیں۔ یسُوعؔ کے آسمان پر جانے کے بعد میں نے مناسب سمجھا کہ اُس کے اِس بدن کو لہُولہان کر دوں۔ میں نے اُس کی کلیسیا کے خِلاف یہودیوں اور غیر قوموں کو بھڑکا دیا۔ اُس کے شاگرد جب یسُوعؔ کا نام لے کر منادی کرتے تو میرے چیلے اُن پر ٹُوٹ پڑتے کیونکہ مجھے اِس نام سے سخت نفرت ہے۔ اُن کا بھی میں وہی حال کرتا جو یسُوعؔ کا کیا تھا۔ اِن بشارت دینے والوں کو میں نے قید خانوں میں ڈال دیا۔ اُس کے ایک سر پھرے شاگرد کو میں نے پتھروں سے سنگسار کر دیا۔ پہلے اُس پر ایک شخص نے پتھر اُٹھایا اور دے مارا، دوسرے نے اپنے پتھر سے اُس کے بدن پر چوٹ لگائی۔ آخر کار پتھروں کی بارش سے وُہ دم توڑنے لگا۔ لیکن وُہ اتنا ڈھیٹ تھا کہ یسُوعؔ کا انکار ہی نہیں کرتا تھا۔ میرا خیال تھا کہ میرے اِس حربہ سے وُہ یسُوعؔ نام کی تکفیر کرے گا... اُسے حقارت سے دیکھنے لگے گا کہ اُس کی تقلید سے اُسے یہ دِن دیکھنا پڑا۔ لیکن

عجیب فلسفہ ہے اُس ناصری کا کہ اُس نوجوان کو لوگ سنگسار کرتے رہے اور وُہ سرفروش یہ کہہ کر دُعا کرتا رہا کہ "اے خداوند! میری رُوح کو قبُول کر"۔ اور پھر اُس نے گھٹنے ٹیک کر بڑی آواز سے پکارا "اے خداوند! یہ گناہ ان کے ذمہ نہ لگا"۔ یہ کہہ کر اُس نے جان دیدی۔ پھر میں نے ساؤلؔ نامی ایک فریسی کو اپنا آلۂ کار بنایا اور وُہ کلیسیا کو اِس طرح تباہ کرتا رہا کہ گھر گھر گھُس کر مردوں اور عورتوں کو گھسیٹ کر قید کراتا تھا۔ کچھ عرصہ تک یہ شخص میرا فرمانبردار رہا اور نہایت جانفشانی سے مسیحی لوگوں کا سر قلم کرنے میں مصروف تھا... لیکن پھر اُسی یسُوعؔ کی سحر انگیز قوت پر مجھے حیرت ہوتی ہے کہ اُس میں نہ جانے کیا کشش تھی کہ میرے اِس کارکن کو بھی اپنا شاگرد بنا لیا۔ اور ہم نے بھی اُس کی اِس نافرمانی اور غداری کی خوب سزا دی۔ وُہ ہمارا ساؤلؔ جب یسُوعؔ کا پُولسؔ بن گیا تو ہم نے بھی تشدّد کرتے ہُوئے اپنی تمنّا پُوری کر لی۔ اُسے ہمارے ہی ایماء پر پانچ بار ایک کم چالیس چالیس کوڑے لگے۔ تین بار بید لگے، ایک بار سنگسار کیا، تین مرتبہ جہاز ٹُوٹنے کی بلا میں پڑا، دریاؤں اور ڈاکوؤں کے خطروں میں رہا لیکن اِس دیوانے کا ذہن نہ بدلا۔ آخر کار میں نے اُسے بھی موت کے گھاٹ اتروا دیا۔ جب اُس کا سر تن سے جُدا ہو گیا تو اُس کے تمام عزائم خاک میں مِل کر رہ گئے۔ قصہ مختصر میں نے اپنی اِس داستان کو کلیسیا کے ہر دَور میں دُہرایا ہے..."

"بہُت خوب بیٹا! اب میں سمجھ گیا کہ تُم ہماری ہر ایک خواہش اور آرزو کو پہلے سے جانتے ہو۔ میری مرضی کو پُورا کر کے تُم نے حقِ فرزندیت ادا کر دیا۔ یہ تو تاریخ میں ماضی کے وُہ کارنامے ہیں جنہیں ہم اپنی بیاض میں سنہری حرُوف سے لکھیں گے۔ لیکن اب ذرا یہ تو بتاؤ کہ پاکستان کی کلیسیا میں تمہاری کیا سرگرمیاں ہیں؟" شہنشاہ نے ظُلم کی بات کاٹتے ہُوئے پُوچھا۔

پر پوشیدہ ہوتا ہے اور ہمارا پروردگار بڑی گستاخی سے اپنے خدا کو کہتا ہے "کیا میں اپنے بھائی کا محافظ ہوں؟" مخلوق اپنے خالق کو کس قدر باغیانہ جواب دیتی ہے . . . اُسی خالق کو جس نے اُسے پیدا کیا . . . جس کے لئے اُس نے زمین و آسمان کی تخلیق کی اور جس نے ہر گام اُس کی خوشی کو پورا کرنے کی کوشش کی [illegible] ہماری ہے۔"

[illegible] اس داستان کو ختم کیا اور سارا محل تالیوں کی آواز سے گونج گیا اور بہت [illegible] ہر طرف سے آنے لگیں۔ [illegible] کے نعروں کی صدا [illegible] ہوا۔

"[illegible] میں تم سے [illegible]۔ تمہارا یہ ابتدائی [illegible] دنیا تک یاد رہے گا [illegible] اور سناؤ۔ تمہاری داستان دلچسپ [illegible] کرو۔"

[illegible] اس حوصلہ افزائی اور قدردانی کیلئے [illegible] سیاہی سے صفحۂ ہستی پر [illegible] کا [illegible] اپنے ہاتھ دشمن [illegible] داستانیں ہیں۔ کونسی داستان [illegible] وحشت و بربریت [illegible]۔

[illegible] دشمن [illegible]

کے خلاف کیا کیا؟" شہنشاہ نے فرطِ محبت سے کہا۔

"ہاں تو بہت اچھا موضوع چھڑ گیا۔ یسوع ناصری خدائے قادر، ابدیت کا باپ، سلامتی کا شہزادہ، خدا کا بیٹا بھی میرے نشانہ سے نہ بچ سکا۔ ابا حضور! ابھی اُس نے جنم ہی لیا تھا کہ میں ایک ظالم بادشاہ کے ذہن میں سما گیا اور اُسے تحریک دی کہ "اے بادشاہ! بجائے اپنے تخت و تاج کو، کوئی سدِ باب کرے، کہتے ہیں کہ یہودیوں کا بادشاہ پیدا ہو گیا ہے . . . اور اگر کسی ایسے بادشاہ نے جنم ہی لیا ہے تو تیری سلطنت خطرہ میں ہے کہ نومولود بادشاہ کسی دن تیرے تخت پر بھی اپنا ہاتھ صاف کرے گا اور تو معزول ہو کر اپنی قدر و منزلت کھو بیٹھے گا۔ کہاں رہے گا تیرا شاہی وقار اور حاکمانہ اختیار؟ کون تیرے شاہی حکم کی پرواہ کرے گا؟ یاد رکھ اگر تُو نے اُس کا ابھی سے قلع قمع نہ کیا تو تیرا مستقبل تاریک ہو کر رہ جائے گا۔" میرے اتنے سے اشتعال سے وُہ بادشاہ اُٹھ بیٹھا اور اپنے کوتوالوں کو حکم دیا کہ "بیت الحم اور اُس کی سب سرحدوں کے اندر کے اُن سب لڑکوں کو قتل کر دارو جو دو دو برس کے یا اس سے چھوٹے ہیں۔" کوتوالوں نے شاہی حکم سُنا اور اپنی تلواریں لے کر اس حکم کو عملی جامہ پہنانے کیلئے چل دیئے تاکہ یسوع کا بھی سر قلم ہو ہو جائے۔ یہ جلاد بچوں کو زبردستی ماؤں کی گودوں سے چھینتے اور تلوار کے ایک ہی وار سے ماؤں کے یہ لختِ جگر خون میں تڑپنے لگتے اور میں کھڑا تماشہ دیکھتا رہا . . . خون کے دھارے کو دیکھ کر میرے دل کو ایک عجیب سا سکون مل رہا تھا۔ کتنے ہی بچّے موت کے گھاٹ اُتار دیئے گئے لیکن ہمارے دشمن خدائے خالق نے یسوع ناصری کو یوں بچا لیا کہ دوسرے شہر میں بھیج دیا۔ اور وہاں پر میرا منصوبہ خاک میں مل کر رہ گیا۔ وُہ بچ گیا لیکن میرا عزم اتنا بلند تھا کہ میں نے حوصلہ نہ ہارا۔

ایک دفعہ اُسی یسوع کو جوانی کے ایام میں ہیکل میں اپنے ظلم کا نشانہ بنانے لگا تو رُوح [illegible]

سے بھی ٹل گیا۔ لیکن میری چالوں کے سامنے اُس کی ایک نہ چل سکی۔ میں نے یہودی قوم کے مذہبی راہنماؤں کو اُس کے خلاف مشتعل کر دیا اور کہا "دیکھو! تو جہان اُس کا پیرو ہو چلا اور تم سے کچھ بن نہیں پڑتا" ان سردار کاہنوں کے دِل میں حسد و اِنتقام کی چنگاریاں سلگنے لگیں۔ اکثر میں اِن چنگاریوں کو ہوا دیتا اور یہ چنگاریاں ایک دِن آگ کے شعلے بن کر منظرِ عام پر آ گئیں۔ میری تدبیریں کارگر ہونے لگیں ... وُہ یسُوعؑ جو ہر گاہ مجھ سے بچ نکلتا تھا آخر ایک دِن میرے ہتھے چڑھ گیا۔ سب سے پہلے تو میں نے خُدا کے بیٹے کو یوں گرفتار کروایا گویا کہ وُہ ایک ڈاکو ہے۔ اُسے کوڑے لگوائے اور میری ہی شہہ پر لوگوں نے اُس کے مُنہ پر تھوکا، لعن طعن کی اور جہاں تک ذلیل ہو سکا اُس یسُوعؑ ناصری کو ذلیل کر دیا۔ لیکن میری اِس سے بھی تسلی نہ ہُوئی۔ ابھی میرا دِل اُس کی تضحیک و تذلیل سے ٹھنڈا نہ ہُوا تھا۔ اُس پر مقدمہ چلایا گیا اور اُس کے مخالفین مُنصف سے التجا کرنے لگے "اِسے صلیب دے .. صلیب دے"۔ آخرکار مُنصف کو عوام کی مرضی کے سامنے جھکنا پڑا اور میں نے ایک بھاری صلیب یسوعؑ کے کندھوں پر لاد دی۔ خدا کے بیٹے! سلامتی کے شہزادہ کی آج اپنی سلامتی خطرہ میں تھی۔ وُہ چلتا گیا لڑکھڑاتا ہُوا، بوجھ سے دبا ہُوا گلگتہ کے مقام پر پہنچ گیا۔ میرے حمائتیوں نے وُہ صلیب اُس سے لے لی، اُس کے کپڑے اتارے، اُن پر قرعہ ڈالا اور اُسے صلیب کے ساتھ کیلوں سے جڑنے لگے، کانٹوں کا تاج 'یہودیوں کے بادشاہ' کے سر پر پہنا دیا گیا۔ یسُوعؑ کے دشمنوں نے اُسے صلیب پر نصب کر کے، صلیب کو چٹان میں گاڑ دیا۔ میں نے ایک منچلے سپاہی کو حکم دیا کہ اُس کی پسلی میں نیزہ گھونپ دے۔ سر سے لہُو بہہ رہا تھا ... اور بہتا ہُوا پسلی کے لہُو سے مل گیا اور یہ لہُو کی دھارا پاؤں تک چلی گئی۔ لہُو بہتا رہا اور خدا کا بیٹا کمزور ہوتا گیا اور وُہ وقت آیا کہ اُس نے دم توڑ دیا اور میں نے قہقہہ لگایا کہ "خُدا کے بیٹے! تُو نے اوروں کو تو بچایا لیکن اپنے

تئیں بچانے کی سکت تجھ میں نہیں تھی"۔ یسُوعؑ مر گیا اور میں نے اُسے قبر کے اندر بند کر کے اوپر بھاری پتھر رکھ دیا اور پتھر پر مہریں لگا دیں ... مہریں لگا دیں ... لگا دیں ... لگا دیں"۔ ظُلم کی آواز لڑکھڑانے لگی، سر ایک طرف کو جُھک گیا اور یوں محسُوس ہو رہا تھا کہ اب وُہ دم توڑ رہا ہے۔ اُس کے حواس قائم نہ رہے، ہاتھ اُس کے اینٹھنے لگے، مُنہ سے جھاگ بہنے لگی اور نیچے کے دانت اُوپر کے دانتوں سے مضبوطی سے جُڑ گئے۔ شہنشاہ اور ملکہ دونوں تڑپ کر تخت سے نیچے اُترے، ماں نے بیٹے کو سنبھالا اور اُس کا سر گود میں رکھ کر دھاڑیں مار کر رونے لگی۔ ماں کو روتا دیکھ کر بہنیں بھی بین کرنے لگیں۔ محل میں ایک کہرام مچ گیا۔ یہ ہنستی کھیلتی محفل ایک پل میں آہ و بکا میں بدل گئی۔ کوئی اُس کے ہاتھوں اور پاؤں کو دبا رہا تھا۔ ایک دوشیزہ اُٹھی ... اپنے آنسو صاف کئے اور چلّو میں لہُو لا کر 'ظُلم' کے مُنہ میں ڈال دیا۔ لہُو کا مُنہ میں جانا تھا کہ اُس کے پاؤں کو جُنبش ہُوئی، پھر جسم کانپنے لگا، اور آنکھیں کھول کر سب اہلِ محل کو حیرت بھری نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ ماں بیٹے کو ہوش میں دیکھ کر دیوانہ وار اُس کا مُنہ چُوم رہی تھی، بہنوں اور بھائیوں کی خوشی کی اِنتہا نہ تھی۔ شہنشاہ نے سہارا دے کر بیٹے کو تخت پر بٹھایا اور سب دوسرے بھی اپنے اپنے تختوں پر بیٹھ گئے۔ بادشاہ نے بیٹے سے پُوچھا۔

"کیا ہُوا تھا بیٹے؟"

"ابا حضُور! وُہی یسُوعؑ جسے میں نے دفن کر دیا تھا، قبر پر پتھر رکھ کر مہریں لگا دی تھیں تاکہ خُدا کا بیٹا قبر کے اندر خاک کے ساتھ خاک ہو جائے۔ لیکن وُہ جی اُٹھا ... جی اٹھا ... موت اور قبر کے بندھن توڑ کر زندہ ہو گیا اور میری ساری محنت رائیگاں گئی"۔ ظلم نے کانپتی ہُوئی آواز میں جواب دیا۔

"بھائی جان! کیا اب آپ اُس پر ہاتھ نہیں ڈال سکتے؟" ایک دوشیزہ نے اُس سے پُوچھا

"کیسے ہاتھ ڈالوں... اُسے پھر کیونکر ظُلم کا نشانہ بناؤں، وُہ تو موت کو فتح کرکے، زندہ ہو کر اب آسمان پر خُدا کے دہنے ہاتھ بیٹھا ہُوا ہے... وہاں تک میری رسائی ناممکن ہے"، ظُلم نے مایُوسی سے کہا۔

"اُٹھو بیٹا! جوانمرد حوصلہ نہیں ہارا کرتے۔ مردوں کا کام دِل چھوڑ دینا نہیں، اپنے گھٹنوں کو مضبوط کرو، اگر یسُوع پر ظُلم نہیں کر سکتے تو جاؤ اُس کی کلیسیا میں اور ظُلم کی تصویر میں خون سے رنگ بھر دو اور جتنی بھیانک تصویر ہو سکے، بنا ڈالو"۔ شہنشاہ نے حوصلہ افزائی کرتے ہُوئے بیٹے سے کہا۔

"بہُت بہتر ابا حضور! شکریہ اِس مشورہ کا لیکن اِس پر تو میں پہلے سے ہی عمل پیرا ہوں۔ میں نے سُن رکھا تھا کہ یسُوع کے پیرو نام لیوا اُس کا بدن اور اُس کی کلیسیا کہلاتے ہیں۔ یسُوع کے آسمان پر جانے کے بعد میں نے مناسب سمجھا کہ اُس کے اِس بدن کو لہُولہان کر دوں۔ میں نے اُس کی کلیسیا کے خِلاف یہودیوں اور غیر قوموں کو بھڑکا دیا۔ اُس کے شاگرد جب یسُوع کا نام لے کر منادی کرتے تو میرے چیلے اُن پر ٹُوٹ پڑتے کیونکہ مجھے اِس نام سے سخت نفرت ہے۔ اُن کا بھی میں وہی حال کرتا جو یسُوع کا کیا تھا۔ اِن بشارت دینے والوں کو میں نے قید خانوں میں ڈال دیا۔ اُس کے ایک سر پھرے شاگرد کو میں نے پتھروں سے سنگسار کر دیا۔ پہلے اُس پر ایک شخص نے پتھر اُٹھایا اور دے مارا، دوسرے نے اپنے پتھر سے اُس کے بدن پر چوٹ لگائی۔ آخر کار پتھروں کی بارش سے وُہ دم توڑنے لگا۔ لیکن وُہ اتنا ڈھیٹ تھا کہ یسُوع کا انکار ہی نہیں کرتا تھا۔ میرا خیال تھا کہ میرے اِس حربہ سے وُہ یسُوع نام کی تکفیر کرے گا... اُسے حقارت سے دیکھنے لگے گا کہ اُس کی تقلید سے اُسے یہ دِن دیکھنا پڑا۔ لیکن

عجیب فلسفہ ہے اُس ناصری کا کہ اُس نوجوان کو لوگ سنگسار کرتے رہے اور وُہ سرفروش یہ کہہ کر دُعا کرتا رہا کہ "اے خداوند! میری رُوح کو قبُول کر"۔ اور پھر اُس نے گھٹنے ٹیک کر بڑی آواز سے پکارا "اے خداوند! یہ گناہ ان کے ذمہ نہ لگا"۔ یہ کہہ کر اُس نے جان دیدی۔ پھر میں نے ساؤل نامی ایک فریسی کو اپنا آلۂ کار بنایا اور وُہ کلیسیا کو اِس طرح تباہ کرتا رہا کہ گھر گھر گھُس کر مردوں اور عورتوں کو گھسیٹ کر قید کراتا تھا۔ کچُھ عرصہ تک یہ شخص میرا فرمانبردار رہا اور نہایت جانفشانی سے مسیحی لوگوں کا سر قلم کرنے میں معروف تھا... لیکن پھر اُسی یسُوع کی سحرانگیز قوت پر مجھے حیرت ہوتی ہے کہ اُس میں نہ جانے کیا کشش تھی کہ میرے اِس کارکن کو بھی اپنا شاگرد بنا لیا۔ اور ہم نے بھی اُس کی اِس نافرمانی اور غداری کی خوب سزا دی۔ وُہ ہمارا ساؤل جب یسُوع کا پُولُس بن گیا تو ہم نے بھی تشدد کرتے ہُوئے اپنی تمنا پُوری کر لی۔ اُسے ہمارے ہی ایما پر پانچ بار ایک کم چالیس چالیس کوڑے لگے۔ تین بار بید لگے، ایک بار سنگسار کیا، تین مرتبہ جہاز ٹوٹنے کی بلا میں پڑا، دریاؤں اور ڈاکوؤں کے خطروں میں رہا لیکن اِس دیوانے کا ذہن نہ بدلا۔ آخر کار میں نے اُسے بھی موت کے گھاٹ اتروا دیا۔ جب اُس کا سر تن سے جُدا ہو گیا تو اُس کے تمام عزائم خاک میں مِل کر رہ گئے۔ قصہ مختصر میں نے اپنی اِس داستان کو کلیسیا کے ہر دَور میں دُہرایا ہے..."

"بہُت خوب بیٹا! اب میں سمجھ گیا کہ تُم ہماری ہر ایک خواہش اور آرزو کو پہلے سے جانتے ہو۔ میری مرضی کو پُورا کر کے تُم نے حق فرزندیت ادا کر دیا۔ یہ تو تاریخ میں ماضی کے وُہ کارنامے ہیں جنہیں ہم اپنی بیاض میں سنہری حرُوف سے لکھیں گے۔ لیکن اب ذرا یہ تو بتاؤ کہ پاکستان کی کلیسیا میں تمہاری کیا سرگرمیاں ہیں؟" شہنشاہ نے ظُلم کی بات کاٹتے ہُوئے

پُوچھا

"پاکستان کی کلیسیا... بہت خوب! آپ نے ایک اَور دلچسپ موضوع چھیڑ دیا۔ اِس کلیسیا میں تو انواع و اقسام کے متعدد واقعات ہیں لیکن اِس مجلس میں صرف ایک واقعہ پر قناعت کروں گا تاکہ اپنی سُنا کر دوسروں سے بھی کچھ سُن سکوں"۔ ظُلّم نے نہایت فرمانبرداری سے جواب دیا۔

"بھائی جان! ہم اِس کلیسیا کے ایک واقعہ ہی سے آپ کی کامیابیوں کا اندازہ لگا لیں گے"۔ ایک دوشیزہ بولی۔

"ذرّہ نوازی کا شکریہ! ہاں تو ایک واقعہ آج سے تقریباً سات سال پہلے کا ہے۔ واقعات یوں ہیں کہ صدیوں سے سرسبز و شاداب ایک گاؤں دریا کے کِنارے آباد تھا۔ اس کی تاریخ میں زمانے کے نشیب و فراز کی کئی داستانیں مرقوم ہیں۔ گاؤں کے پُرسکون ماحول میں پاس ہی دریا کی روانی گاؤں والوں کیلئے تحفۂ آسمانی تھا۔ نوجوان گرمیوں کی چلچلاتی دھوپ میں نِکلتے، اور ٹولیوں کی ٹولیاں دریا پہ جاکر نہاتے، تیرنے کی مشق کرتے اور بعض اپنی مہارتِ تیراکی کا مظاہرہ کرتے۔ لوگ اپنے مویشیوں کی دریا کے پانی سے پیاس بجھاتے، جوان لڑکیاں کبھی کبھار شام کے وقت چہل قدمی کرتیں، ہنڈول گاتیں اور لوک گیتوں سے فضا گونج اُٹھتی۔ غرضیکہ اِس دریا کے وجود سے کتنی ہی رنگینیاں تھیں۔

گاؤں کے مشرق میں کثیر تعداد میں یسُوع کے نام لیوا بھی موجُود تھے۔ چند ہی سالوں سے اُنھوں نے یسُوع کو قبُول کیا تھا اور آباؤ اجداد کی بُت پرستی کو چھوڑ کر اب یہ لوگ ہمارے مخالف خدائے خالق کے ثنا خواں تھے۔ کلیسیا کے پاسبانِ اعلےٰ نے اِن غریب مسیحیوں کے لئے ایک پاسبان مقرر کر رکھا تھا تاکہ اُس کے وجُود سے مسیحیت کے جراثیم ان میں سرائیت کر جائیں۔ وہ پاسبان صبح و شام جرسِ کلیسیا کی صدا پر ان لوگوں کو جمع کرتا اور اسلاف

کی روایات کو ترک کرنے کی تلقین کرتا رہتا۔ پہلے پہل تو اُسے کافی دقتوں کا سامنا کرنا پڑا، لیکن آخرکار یسُوع ناصری کی وہی سحر انگیز قوت یہاں بھی کارفرما ہُوئی کہ روایات کے بندھن ٹُوٹ گئے، حالات بدل گئے اور وہ پاسبان شاداں و فرحاں تھا کہ اُس کے خُدا نے اُسے کامیاب و کامران کیا۔ گرجا گھر اِن لوگوں سے کھچا کھچ بھرا رہتا اور پاسبان دُعا میں سرنگوں ہونے کیلئے التجا کرتا اور اُنہیں درس دیتا "میرے عزیزو! بتوں کی پرستش میں کچھ بھی نہیں ہے اور اِس مادی دُنیا کی کوئی وُقعت نہیں، لالچ کرنے والا بھی بُت پرست ہے اور بُت پرست آسمان کی بادشاہی میں داخل نہیں ہو سکتے"۔ کبھی کبھی وہ یہ بھی اپیل کرتا کہ لوگ یسُوع کو دِل دینے کیلئے ہاتھ اٹھائیں۔ وہ ہاتھ اٹھاتے اور وہ انہیں تسلی دیتا کہ مسیح یسُوع نے انہیں نجات دے دی ہے۔ اِس خوشی میں سازوں کی آواز سے گرجا گھر کی فضا گونج اُٹھتی اور سب یسُوع کی تعریف اور خُدا کی ثنا میں صدا بلند کرتے، طرح طرح کی راگنیاں چھیڑتے۔ غرضیکہ جہاں تک ہو سکتا، وہ پاسبان ایک روحانی ماحول پیدا کرنے کی کوشش کرتا۔ اور جہاں تک میرا مشاہدہ ہے میں نے محسوس کیا کہ اُس کلیسیا کے اکثر افراد یسُوع کے زبردست گواہ اور ہمارے مخالف ہیں۔ پاسبان بھی ظاہر کرتا کہ وہ نجات یافتہ ہے، دُنیا کی شان و شوکت اور لالچ سے اُسے کوئی سروکار نہیں۔

وقت کا دھارا بہتا گیا، زندگی اپنے معمُول پر تھی، حالات خوشگوار تھے۔ ایک شب جب یہ دیہاتی خوابِ استراحت سے لُطف اندوز ہو رہے تھے، چاندنی رات ایک حسین سماں پیش کر رہی تھی تو نہ جانے دریا کے جی میں کیا آئی کہ غصہ میں بھر گیا۔ شاید اُسے گاؤں کا وجُود اب بارِگراں محسُوس ہو رہا تھا۔ طوفان اُمڈ آیا، لہروں میں تلاطم برپا ہُوا اور یہ لہریں ناگن کی طرح بپھرتی ہُوئی گاؤں والوں کو ڈسنے لگیں۔ لوگ پانی کے شور سے ہڑبڑا

کر اُٹھے، سب نے اپنے بچوں اور عزیزوں کو اسی گھبراہٹ میں اُٹھایا اور جو کچھ ہاتھ لگا
لے کر چلتے بنے۔ آکاش کی چھت کے نیچے، اُونچے ٹیلوں اور درختوں پر پناہ گزین ہو گئے۔
طوفان لحظہ بہ لحظہ تیز ہو رہا تھا۔ پانی کی سطح اونچی ہوتی گئی، حتیٰ کہ اِن مکینوں نے اپنے مکانوں
پر حسرت بھری نگاہ ڈالی جو اب طوفان کی نذر ہو چکے تھے۔ اُمرا کی پُر شکوہ عمارتیں زمیں بوس
ہو گئیں۔ اگلے دِن اخبارات میں اِس گاؤں کی تباہی کی تصویریں اور خبریں چھپنے لگیں۔
طوفان بھی دو دن کے بعد تھم گیا لیکن گاؤں کی نیستی، ہستی میں تبدیل نہ ہو سکی، کیونکہ ابھی
تک کئی بالشت پانی کھڑا تھا۔ مسیحی پاسبانوں نے دیگر ممالک میں اپنے مسیحی بھائیوں اور
دیگر متأثرہ افراد کیلئے اپیل کی۔ وقت کی رفتار کے ساتھ حالات معمول پر آنے لگے۔ امیر
لوگوں نے تو از سرِ نو اپنے گھر تعمیر کر لئے، لیکن اِن غریب مسیحیوں کے پاس کیا تھا، کچھ بھی نہیں۔
صرف غربت و افلاس کی آہیں ہی باقی رہ گئی تھیں۔ لیکن اِن آہوں کے دھوئیں سے گھر
تعمیر نہیں ہو سکتے، آہیں کسی کی آتشِ شکم کو نہیں بجھا سکتیں۔ ان کی دعاؤں کا اِس غربت
میں ہمارے مخالف خدائے خالق نے جواب دیا... جواب کیوں نہ دے کیونکہ یہ مسیحی بھی تو
صرف اُسی کے حاشیہ بردار تھے۔ دیارِ غیر سے ایک لاکھ روپوں کی نقد امداد بھیج دی گئی۔
تاکہ اِس سیلاب زدہ گاؤں کے مسیحی لوگ اپنی خستہ حالت کو سدھار سکیں۔ یہ نقدی کلیسیا
کے حکام نے پاسبان کے ہاتھ میں تھما دی۔ کیونکہ وُہ پاسبان تھا، اِن بھوکی پیاسی بھیڑوں کا
چوپان اور ان کی محافظت کرنے والا نگہبان۔ اِن غریبوں کی خوراک و رہائش کا کام اُسی
کے سپرد تھا۔ روپوں سے پاسبان کی تجوری بھاری ہو گئی تھی۔

اب یہی وقت تھا کہ میں نے اُسے بہکا دیا اور اُس کے کان میں کہا "اے مسیحیوں کے پاسبان!
یاد رکھ تو اِن محتاج لوگوں سے زیادہ محتاج ہے، اپنی بیٹی کی مانگ میں سیندور بھرنے کی

ساعت کیلئے دُور اندیشی سے کام لے، تُو نے لوگوں پہ ظاہر کرنا ہے کہ ایک پاسبان کی
روزی میں خدا کی کتنی برکت ہے۔ زرق برق کپڑوں، زر و جواہر، سیم و زر کی نمائش اور
زندگی کی آسائش کا خیال رکھ لو۔ اولاد سے پیاری اور کونسی چیز ہے۔ یہ دولت تمہاری
کامیابیوں کا راز... دُنیا میں تمہاری عزت کا بھید اور تمہاری اولاد کی خوشیوں کا مرکز ہو
گی۔ اِن غریب محتاجوں کو اِس رقم میں سے صرف چند سکے دے دے اور باقی اپنی حاجات
کیلئے رکھ لے..."

"میں سوچتا ہوں کہ اِس میں ہمارے لئے کوئی دلچسپی نہیں۔ کیونکہ جس داستان میں
لہو کا رنگ اور موت کی تلخی نہ ہو، اُسے ہم داستانِ ظلم کے نام سے منسوب نہیں کر سکتے"۔
شہنشاہ نے ظلم کی قطع کلامی کرتے ہوئے کہا۔

"ابا حضور! گو اِس میں لہو کا رنگ نہیں لیکن حق تلفی بھی قتل سے کم نہیں۔ ہوتے ہوتے
سردی کا موسم ہو چکا تھا، اور اِن غریب مسیحیوں کیلئے نہ تو مکان تھے اور نہ پہننے کیلئے تن پہ
کپڑے۔ سرد ہوائیں اِن لاچار و مجبور انسانوں سے نہ جانے کس بات کا انتقام لینے والی
تھیں، کہ اِن ہواؤں کی تُندی اور سخت خنکی اور بے خانماں زندگی سے کچھ بچے موت کی
آغوش میں چلے گئے۔ پاسبان نے جنازہ کی رسم ادا کی، اور اِن بچوں کو خاک کے ساتھ
خاک اور راکھ کے ساتھ راکھ ہونے کیلئے سپردِ زمین کر دیا، اُدھر میں نے رحم کی آواز کو اُس
کے ضمیر کی گور زمین دفن کر دیا، جہاں سے وُہ پھر انسانیت کی فضا میں نہ اُبھر سکی۔ یہ ہولناک
انجام دیکھ کر بھی اُسے کچھ ترس نہ آیا۔ اور وُہ یسُوع کی تمام باتوں کو بالائے طاق رکھے
ہُوئے خود غرضی کا دامن تھامے رہا۔ ابا جان! اب آپ خود ہی فیصلہ کریں کہ کیا میں
نے اپنا کردار ادا نہیں کیا۔ جب بچوں کی موت پر مائیں بلبلاتی ہیں، بہنیں آنسو بہاتی

ہیں اور باپ خاموش اپنی بے بسی کا تماشہ دیکھتا ہے تو پھر بھی اسے آپ داستانِ ظلم نہ کہیں تو بھلا میں اِس سے زیادہ کہاں تک کر سکتا ہوں۔" ظلم نے اپنی صفائی میں کہا۔

"بہت خوب! بہت خوب! بیٹا میں تمہیں تمہاری اِس شاندار کامیابی پر مبارکباد دیتا ہوں۔ کتنی دلکش اور پُرلطف ہے تمہاری داستان ....."

"واقعی بھیا! آپ قابلِ تعریف ہیں۔ آپ کے کارنامے رہتی دُنیا تک لوگ ڈرتے اور کانپتے ہوئے یاد کریں گے۔" ایک نوجوان نے شہنشاہ کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"خاموش رہو بدتمیز! بڑوں کی قطع کلامی نہیں کیا کرتے۔"

"بہت بہتر اباجان! گستاخی کیلئے معذرت خواہ ہوں"۔ نوجوان نے کانپتے ہوئے کہا۔

محل کی فضا میں شہنشاہ کی آواز سے خاموشی طاری ہو چکی تھی۔ مہرِ سکوت ٹوٹا اور 'ظلم' کی داد میں ہر طرف سے صدائیں بُلند ہونے لگیں۔ باپ نے 'ظلم' کے کامدار لباس پر ایک خونی تمغہ آویزاں کیا۔ تالیوں کی آواز محل کی دیواروں سے ٹکرائی۔ ہر ایک کے چہرہ پر خوشی و انبساط کے تاثرات 'ظلم' کی کامیابی کا نتیجہ تھے۔ ظلم نے داد کیلئے سب کا شکریہ ادا کیا اور اپنے طلائی تخت پر متمکن ہو گیا۔

٣

چند لمحوں تک پھر محل میں سکوت چھایا رہا۔ اہلِ محل میں سے ایک نازنین جو اُٹھی تو سب اُس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ میں نے اُس کی عُمر کا اندازہ کیا، وُہ ایک الہڑ دوشیزہ تھی۔ لیکن آنکھ جھپکنے کے بعد مجھے یوں معلوم ہُوا کہ بڑھاپے کی جھُریاں اُس کے چہرے سے ہویدا ہیں پھر میں نے غور سے دیکھا کہ اُس کا لباس راہبہ کا سا ہے، نہایت سادہ لباس میں ملبوس بجارن سی لگتی ہے۔ مگر اگلے ہی لمحہ یہ سوانگ سب بدل گیا اور میں نے کیا دیکھا کہ وُہ تو فاحشہ ہے۔ غازہ چہرے پہ لگائے، ہونٹوں پہ سرخی، عریاں لباس سب اُس کی بے حیائی کی غمازی کر رہے تھے۔ میں حیران تھا کہ وُہ کون ہے؟ کیا ہے، کیسی شخصیت کی مالک ہے، اُس کا کیا نام ہے؟ اپنے دِل میں طرح طرح کے سوالات لئے دم بخود تھا کہ شہنشاہ کی زوردار آواز سے فضا میں ارتعاش پیدا ہُوا۔

"میرے بچو! ظلم کی کارکردگی پر ہم رہتی دُنیا تک نازاں رہیں گے۔ اور اب 'ریاکاری' اپنے ماضی اور حال کی پردہ کشائی کرے گی۔"

شہنشاہ نے ابھی یہ کہا ہی تھا کہ 'ریاکاری' اپنے تخت سے درمیان میں خالی جگہ پر اُتر آئی اور آتے ہی رقص کے کچھ انگ دکھائے، بعد میں بجارن کی طرح دم سادھ کر بیٹھ گئی اور پھر بصد ناز و ادا اہلِ محل سے مخاطب ہُوئی۔

"ابا حضور! میری پیاری امی جان اور میری بہنو اور بھائیو! آسمانی دُنیا کے بعد دُنیا میں گناہ کا وجود لانے کے لئے سب سے پہلے ابا حضور سے میں تولّد ہُوئی۔ یہ انگ، یہ انداز، یہ بھیس بدلنا میں نے دُنیا کے شروع سے سیکھا ہے۔ خدا کی تخلیق آدم اور حوّا کو بہکانے کیلئے ابا حضور

نے مجھے خلق کیا۔ اور میں سانپ میں سما کر حضرتِ انسان کو بہکانے کیلئے چل نکلی۔ ابا حضور براہِ راست حوّا کے پاس نہیں جا سکتے تھے۔ اِس بڑے ڈرامائی انداز سے یہ پہلا کھیل عدن میں کھیلا گیا۔ اور میں نے ایک اہم اور مرکزی کردار ادا کر کے اپنے پتا کی لاج رکھ لی"۔

"واہ واہ! فن ہو تو ایسا ہو کہ حقیقت کا پتہ نہ چلنے دے۔ میری بہن! کیا خوب اداکاری کی ہے۔ مگر میرا یہ سوال ہے کہ آدم و حوّا کو بہکانے کے بعد تاریخ میں آپ کا اور فریسیوں کا آپس میں کیا تعلق رہا ہے؟" ظُلم نے اپنی بہن سے سوال کیا۔

"بھیا! یوں سمجھو کہ اگر فریسی تن ہے تو میں جان ہوں... اور اگر وہ تیر ہے تو میں کمان ہوں ہم دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ ہمارا ایک دوسرے کے بغیر گذر ناممکن ہے۔ میرا درس اُن کے رگ و ریشہ میں کچھ یوں سرائیت کر گیا ہے کہ وہ لوگ اپنی حقیقت اور خود شناسی کے کبھی اہل نہ ہو سکیں گے۔ وہ کہتے تھے کہ وہ مذہبی لوگ ہیں۔ لیکن میں نے صرف روایات و رسومات اور ظاہر پرستی تک اُن کی زندگیوں کو محدود کر دیا۔ لیکن جہاں تک محبت اور انصاف کا تعلق ہے اور جو شریعت کی جان ہے، اُن سے میں نے اُنہیں الگ تھلگ رہنے کا درس دیا ہے۔ میں نے فریسیت کے جام میں خود نمائی کا ایسا رنگ گھول دیا ہے جس میں فریسی کبھی اپنی اصلیت کو نہیں دیکھ سکتا، اور وہ اِس جام کو نوش کرنے سے اِس قدر بے خود ہو جاتا ہے کہ کسی کو خاطر میں نہیں لاتا"۔

"بیٹی! چونکہ آج کی محفل میں "پاکستان کی کلیسیا میں ہمارا کام" ایک خاص موضوع ہے۔ اِسلئے میرا سوال ہے کہ اِس کلیسیا اور تمہارا آپس میں کیا تعلق ہے، اور تم کہاں تک کامیاب ہو"۔ ملکۂ عالیہ اُم العصیاں نے کہا۔

"امی جان! میں ہر زمانے میں کامیاب و کامران رہی ہوں۔ اور اِس دور میں میری

سب سے زیادہ کامیابیاں اِس کلیسیا میں ہیں"

"ذرا اِن کامیابیوں کے پسِ منظر پر تو روشنی ڈال دیجئے"، ظُلم نے کہا

"عرصہ سے بدیشی مشنریوں کا یہاں پر اثر و رسوخ ہے۔ اور دُنیا کا یہ خطہ سچائی کے لحاظ سے دوسرے خطوں کی نسبت قعرِ مذلت میں گرا ہُوا ہے۔ اِن بدیشی مشنریوں نے زیادہ تر اُن طبقوں میں مسیحیت کا درس دیا جو سماج کے ٹھکرائے اور راندے ہُوئے تھے... وہ لوگ جنہیں معاشرہ میں ذلت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔ چنانچہ یہ لوگ جب مسیحیت کے حلقہ بگوش ہُوئے تو انہوں نے اِن بدیشی صاحبوں کو خوش کرنے کیلئے مختلف حربے استعمال کرنے شروع کر دیئے اور یہ عمل آجکل بھی جاری ہے"۔

"بیٹی ذرا کسی ایک واقعہ سے اپنا طریقِ کار واضح کرو کہ تم کِس طرح سوانگ بدلتی ہو"۔ شہنشاہ نے سوال کیا

"ابا جان! آج سے چند سال قبل کی بات ہے کہ دیارِ غیر سے ایک مشنری بڑے جوش و خروش سے یسوع کی صلیب کا علمبردار بن کر اِس سرزمین میں وارد ہُوا۔ بہت جوشیلا نوجوان تھا۔ ایک ہاتھ میں کتاب مقدس اور دوسرے ہاتھ میں زر کی تھیلی تھامے پاکستان میں آ پہنچا۔ اور آ کر ایک مشن احاطہ میں ڈیرہ لگا لیا۔ وہ اِرد گرد کے دیہات میں جاتا تاکہ یسوع کے نام سے لوگوں کو متعارف کرائے۔ اُس کا ایک خانساماں تھا، بہت چرب زبان، خوشامدی اور بات بات میں دوسروں کے دِل میں ایک خاص مقام پیدا کر لیتا تھا۔ صاحب پر جو اُس نے ڈورے ڈالے تو وہ عالم اور تعلیم یافتہ شخص اُس کے دام میں ایسا پھنسا کہ دوبارہ اُس سے راہِ فرار اختیار کرنے کی اُس میں سکت نہ رہی۔

"یہ کامیاب خانساماں میرا شاگرد تھا۔ دِن رات میں اُسے درس دیتی رہتی، اور

وُہ میرا ایسا ہونہار شاگرد نکلا کہ کبھی بھی اُس کے ناکام ہونے کی مجھے منحوس خبر نہ ملی۔ ایک شب وُہ اپنے تمام خوشامدی ہتھیاروں سے لیس ہو کر صاحب کے گھر میں داخل ہُوا۔ چند ایک رسمی باتوں کے بعد اُس نے اپنی ایک رویا کا ذکر کرنا شروع کر دیا۔

"صاحب جی! نہ جانے آجکل مجھے کیسے کیسے خواب آتے ہیں اور نہ جانے کیوں آتے ہیں۔ کل ہی رات کی بات ہے کہ خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ میری چارپائی ہوا میں اُڑنے لگی۔ ابھی میں خلاؤں میں گیا ہی تھا کہ مجھے دُور سے ایک سیاہ فام ڈراؤنی سی بلا حملہ آور ہوتی ہُوئی دکھلائی دی۔ ہمارا آپس میں خُوب مقابلہ ہُوا۔ آخرکار میں نے جو ایک مُکا رسید کیا تو وُہ بلا لڑکھڑاتی ہُوئی زمین پر آگری۔ میں نے یسُوع کے نام میں فتح کا ایک نعرہ لگایا تو وُہ بالکل غائب ہوگئی۔ اِس کے فوراً بعد میری آنکھ کھُل گئی۔"

"بھائی جلال مسیح! مبارک ہو، خداوند نے آپ کو قوت دی ہے۔ آپ کا مقابلہ شیطان سے ہُوا تھا، مگر آپ نے شیطان پر فتح پائی ہے۔ خداوند آپ کی زندگی میں بہت گہرا کام کرنا چاہتا ہے۔" صاحب نے اُس کی یوں تعبیر کی۔

"صاحب جی! جب میں آپ کی رفاقت میں خداوند یسُوع کے بارے میں باتیں سیکھتا ہُوں تو مجھے بہت سکُون ہوتا ہے۔ میری بیٹی الزبتھ بھی آپ کے پیغامات سے بہت متاثر ہوتی ہے۔ گذرے اتوار آپ کے پیغام سے اُس نے فیصلہ کیا ہے کہ وُہ سنڈے سکول میں بچوں کو تعلیم دینے سے خداوند کی خدمت کرے گی۔"

"خداوند کی تعریف ہو۔ بھائی جلال! میں یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ الزبتھ کا بی۔ اے کے بعد کیا خیال ہے؟ میرا مطلب کہ وُہ کیا کرنا چاہتی ہے؟" صاحب نے پُوچھا

"اُس کا خیال ہے کہ بی۔ ایڈ کر کے تعلیمی خدمت کو اختیار کرے۔"

"یہ تو بہت اچھا خیال ہے۔ خداوند نے مجھ سے کہا کہ میں اُس کی آئندہ تعلیم میں مدد کروں۔ جلال! یہ لے جاؤ پانچ سو روپے اور اُس کے داخلہ کا انتظام کرو۔"

جلال پانچ سو روپے لے کر چلا آیا۔ خوشی سے پھُولا نہ سماتا تھا کہ اُس کے سوانگ کو ایک بندۂ خدا بھی نہ پہچان سکا۔ اُس نے کچھ یوں منظر نگاری کی کہ صاحب بے بس ہو کر رہ گیا۔ ابا حضور! جب ہم اپنے شاگردوں کو درس دینے کے بعد عملی زندگی میں بھیجتے ہیں تو اکثر اوقات اُن کی ناکامی کے بہت کم مواقع ہوتے ہیں۔"

"باجی جان! جب جلال چلا گیا تو اُس کے بعد کیا ہُوا؟" ایک دوشیزہ نے استفسار کیا

"ہُوا یہ کہ الزبتھ کو اُس صاحب کی مدد سے سکول میں داخلہ مل گیا۔ نہائت ذہین تھی اور اُس نے دِن رات محنت کر کے جماعت میں خُوب اپنا مقام پیدا کر لیا۔ جب تعطیلات کے دوران گھر آتی تو صاحب کے پاس سلام کیلئے ضرور حاضر ہوتی۔ اور باتوں باتوں میں اپنے بنا بیتی روحانی تجربات کا ذکر کرتی۔ وُہ بھی میری ایک ذہین شاگرد تھی۔"

"مثلاً؟"

"مثلاً ایک دفعہ اُس نے صاحب سے کہا 'صاحب جی! گذشتہ سال جب میں نے آپ سے خُدا کا کلام سُنا، تو میں نے محسُوس کیا کہ مجھے خداوند کی ضرورت ہے۔ میں گنہگار ہوتے ہُوئے نجات دہندہ کے قدموں میں گر گئی۔ میں نے اپنے گناہوں سے توبہ کی اور یسُوع کے خُون سے میرے تمام گناہ دُھل گئے اور میں نے وعدہ کیا کہ میں آئندہ زندگی خداوند کیلئے گذاروں گی۔ جو کچھ کروں گی اُس کے جلال کیلئے کروں گی۔ جو کچھ کہوں گی وُہ یسُوع کی عزت کی خاطر کہوں گی۔ میں چاہتی ہُوں کہ میرے کام اور کلام میں خداوند کو افضل درجہ ملے۔ وُہ بڑھے اور میں گھٹوں....."

ہے۔ معاشرہ میں ہم دو مختلف راستوں پر چل رہے ہیں۔ سوچتا ہوں کہ اِس اُلجھن کا کیا حل ہے؟"

"امجد! مجھے تمہاری ضرورت ہے۔ جو کچھ تم کھو گے میں کر گزرنے کیلئے تیار ہوں۔ کیونکہ میرے ہم مذہب نوجوانوں میں تو کوئی بھی میرے معیار کا نہیں ہے۔ یاد رکھو کہ میں تمہارے سوا کسی اور کو اپنا جیون ساتھی نہیں بنا سکتی"۔

"مگر الزبتھ مذہب کی دیوار کا کیا کرو گی؟"

"چھوڑو اِس مذہب مذہب کی رٹ کو، اِن دیواروں کو میں ایک ٹھوکر سے گرا سکتی ہوں۔ بتاؤ کیا چاہتے ہو؟"

"الزبتھ تمہیں معلوم ہے کہ ہمارے گھر والے مذہب کے معاملہ میں کس قدر کٹر ہیں۔ لیکن تم اگر اپنے مذہب سے منحرف ہو سکتی ہو تو مجھے یہ منظور ہے"۔

اگلی شب الزبتھ نے چند کپڑے لئے اور گھر سے چل پڑی۔ رات کی تاریکیوں میں ایک آخری نگاہ اپنے گھر پر ڈالی اور اسے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے خیرباد کہہ دیا۔ وہ مسیحیت جس کا پرچار اور جس کی گواہی مشنریوں کو دیتی رہتی، اُس کا ساتھ کچھ یوں چھوڑ دیا جیسے پتے خزاں میں اپنی شاخ سے گر کر دور بہت دور چلے جاتے ہیں۔ یسوع کے وہ نغمے جنہیں وہ مشنریوں کے سامنے نہائت سُریلی آواز میں الاپتی تھی، سب ختم ہو گئے۔ وہ ساحلِ مراد تک جا پہنچی، زندگی میں عیش و عشرت اُس کی کمزوری تھی، اور وہ اُس نے اپنی چالوں سے، اپنوں سے اور غیروں سے حاصل کر لی تھی۔ اور جب اُسے اپنے مذہب سے انکار کرنا پڑا، کہ ایک دولتمند کی آغوش میں آسائش کی زندگی بسر کر سکے، تو اُس نے انکار کر دیا۔

وہ اب ایک عجیب ماحول میں آچکی تھی۔ جہاں نہ گرجے کے گھنٹوں کی صدا، نہ پاسبان کی آواز اور نہ مسیحیوں کی رفاقت اسے نصیب تھی۔ ایک نیا ماحول، نئے لوگ اور نئی

زندگی تھی۔ لیکن وُہ دولت کی جھنکار میں اِن سب آوازوں سے کان بند کیے ہُوئے تھی۔ حالات کے دھارے میں امجد اور الزبتھ جو اب اینلا بن چکی تھی، بڑی تیزی سے بہہ رہے تھے۔ حالات نے پلٹا کھایا، امجد کا دِل اُس سے بھر گیا اور اُسے گھر سے یوں نکال دیا گویا کہ وہ اُس کی بیوی نہیں بلکہ چیتھڑوں کی گٹھڑی ہے۔ ایک سیٹھ کے ہاتھوں میں اُسے فروخت کر دیا۔ اُس نے چند دِن تک اِس پری وش کے ساتھ عیش و نشاط کے لمحات گذارے اور پھر اِس بے وفائی کے مجسمہ کو کسی اور کے ہاتھوں میں بیچ دیا۔ الزبتھ... جو اب الزبتھ نہ رہی تھی، اینلا بن چکی تھی، زندگی کے طوفانوں میں گھری ہُوئی، گناہ کی زندگی بسر کر رہی تھی"۔

"لیکن اُن مشنریوں اور والدین کے کیا تاثرات تھے؟" ظُلم نے سوال کیا

"والدین تو کفِ افسوس ملتے تھے اور کہہ رہے تھے 'کاش ہماری لڑکی تعلیم یافتہ نہ ہوتی اور ہم اپنے جھوٹ فریب سے اُسے تعلیم نہ دلاتے اور وُہ اب گھر والوں کیلئے رسوائی کا باعث نہ بنتی۔ اور مشنریوں نے سُنا، چند دعائیں کیں اور پھر اپنی ڈگر پر چلتے رہے۔ امتیاز کی روح کو میں نے اُن میں سے مفقود کر دیا ہے۔ اور پھر ایسے خوشامدی اور ریاکاروں کی خُود اُنہیں اشد ضرورت ہے تاکہ اپنی رُوداد خدمت کو رنگین و خُوبصورت بنا کر اپنے مُلک میں لوگوں کو بتا سکیں۔ یہ رپورٹیں اُن کی مشنری خدمت کا راز ہیں۔ اور وُہ اپنی رپورٹ بنانے کیلئے ہر وقت ایسے کرداروں کی ٹوہ میں رہتے ہیں۔ اور اگر کبھی کوئی بندۂ خدا اُن سے ایسے کرداروں کی مخبری کرے تو وُہ صاحبان یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ شکائیت کنندہ حاسد ہے اور وُہ دوسروں کی ترقی سے خوش نہیں ہوتا۔ اور صاحب لوگوں کی یہ بھی خُوبی ہے کہ وُہ اپنے اخذ کردہ نتائج کے علاوہ کسی دوسرے کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ وُہ سمجھتے ہیں کہ پاکستان کی کلیسیا میں مشرقی تہذیب کو سمجھنے میں انہیں مہارتِ تامہ حاصل ہے۔ حالانکہ مغرب، مشرق کو

کیونکر سمجھ سکتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پاکستان کی کلیسیا میں ایسے مشنری پروردہ لوگ مسیحیت کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے کا بہترین ذریعہ ہیں۔ کیونکہ یہ پروردہ لوگ مشنریوں کی شہ پر اپنے آپ کو دیگر مسیحیوں کی نسبت افضل خیال کرتے ہیں۔ اور یوں مسیحی معاشرہ میں طبقاتی تفریق سے اُلجھنیں پیدا کر دینا بھی ہمارا کام ہے"۔

اہلِ محل سب دم بخود ریاکاری کی اِن باتوں کو نہائیت توجہ سے سُن رہے تھے۔ دلچسپی سے سُنتے رہے اور سُن کر بے اختیار سب کے مُنہ سے واہ واہ اور تحسین و آفرین کے کلمے نکلنے لگے۔ ملکۂ عالیہ اُس کی ماں خوش تھی کہ بیٹی اِس دُنیا میں کس قدر کامیاب و کامران ہے۔ باپ حیران تھا کہ اُس کی بیٹی اُس کے مقاصد کو پُورا کرنے میں کِس قدر دلچسپی سے کام لے رہی ہے۔ سب بہن بھائی نازاں تھے کہ اُن کی بہن کی چالیں کسی صُورت میں بھی شکست کا مُنہ نہیں دیکھتیں۔

شہنشاہ نے ریاکاری کو اپنے پاس بُلایا اور اُس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ ماں نے ہزار بلائیں لیں۔ باپ نے بیٹی کو تخت کے پہلو میں کھڑا کیا، اور پھر دیگر اہلِ محل سے یوں گویا ہُوا۔

"ملکۂ عالیہ اور میرے بچو! ہم اپنی بیٹی کو اُس کی کامیابیوں پر تمغۂ شجاعت پیش کرتے ہیں اور میں یہ بھی بتانا چاہتا ہُوں کہ ہمارا سب سے بڑا دشمن یسُوع ناصری اگر کسی کو مخالف سمجھتا ہے تو وُہ ریاکاری ہے جس کے کارناموں کے سامنے اُس کے لوگ بے بس ہو کر رہ جاتے ہیں۔ خُود یسُوع جب اِس دُنیا میں تھا تو اُس نے زناکاروں کو مُعاف کیا، ڈاکوؤں کو کلمۂ مغفرت سنایا اور گنہگاروں کے ساتھ کھاتا پیتا رہا۔ لیکن وُہ ہماری بیٹی ریاکاری سے ہمیشہ اُلجھتا رہا۔ مثلاً وُہ کہتا "اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تُم پر افسوس کہ تُم سفیدی پھری ہُوئی قبروں کی مانند ہو جو اُوپر سے تو خوبصورت دِکھائی دیتی ہیں مگر اندر مُردوں کی ہڈیوں اور

ہر طرح کی نجاست سے بھری ہیں۔ اِسی طرح تُم بھی ظاہر میں تو لوگوں کو راستباز دِکھائی دیتے ہو مگر باطن میں ریاکاری اور بیدینی سے بھرے ہو"۔ وُہ ہمیشہ ہماری بیٹی کے شاگردوں سے تلخی سے پیش آتا تھا۔ جہاں اُس نے دیگر گنہگاروں کو مُعاف کیا، وُہ ریاکاروں سے متنفر تھا۔ اور میں فخر سے کہہ سکتا ہوں کہ ہماری بیٹی کی کامیابی کا یہ سب سے بڑا راز ہے۔"

شہنشاہ نے اپنی اِس مختصر سی حوصلہ افزا تقریر کے بعد ریاکاری کو خُود جا کر اُس کے تخت پر بٹھا دیا۔ ریاکاری جواب تخت نشین تھی، نہ تو اُس کے عُریاں لباس میں فحاشی تھی اور نہ وُہ راہبہ کا سا جُبّہ۔ وُہ ایک الھڑ دوشیزہ تھی جس میں کبھی بھی بڑھاپے کے آثار کا امکان ہے۔ یُوں محسُوس ہوتا تھا کہ صدیاں گذر گیئں لیکن وُہ ابھی تک جوان ہے اور جوان رہے گی اور اُس کے حُسن میں کبھی کوئی کمی نہ آئیگی۔

۴

ریاکاری نے اپنی کارکردگی کا مظاہرہ کیا اور میں متوقع تھا کہ اب اہلِ محل میں سے کسی اور کی باری آئے گی جو اپنے ماضی کی یادوں کا نقاب اُٹھائے اور حال کی باتیں سنائے۔ مگر یکایک کیا ہُوا کہ محل کی سب روشنیاں گُل ہو گیئں، سب فانوس آنکھیں بند کر کے محوِ خواب ہو گئے، اندھیرا ہو گیا۔ چند لمحوں تک سب اِس تاریکی میں پریشان تھے کہ دفعتاً سب فانوس بیدار ہو گئے اور اُن میں روشنیوں کی زندگی عود کر آئی۔ محل پھر سے بقعۂ نُور بن گیا اور ایک دوشیزہ تھی کہ مارے ہنسی کے اُس کے پیٹ میں بل پڑ رہے تھے۔ سب حیران تھے کہ اِس تبدیلی میں ہنسی کی کیا بات تھی۔ اچانک دوبارہ روشنیاں گُل ہُوئیں اور پھر جلنے لگیں۔ اور وُہ تھی کہ ہنسے جا رہی تھی۔ روشنی ہُوئی تو وُہ تھی کہ کبھی کسی کو چٹکی کاٹ، کبھی کسی کو گدگدی کر، آرام سے نہ بیٹھنے دیتی تھی۔ پھر نہ جانے اُسے کیا سُوجھی کہ ظُلم کو تخت سے گرا کر اپنی خوشیوں کا سامان پیدا کرنے لگی۔ میں حیران تھا کہ یہ لڑکی ہے یا آفت کا پرکالہ کہ کسی کو کچھ سمجھتی ہی نہیں۔ میں اِنہی سوچوں میں کھویا ہُوا تھا کہ وُہ اہلِ محل سے یُوں گویا ہُوئی۔

"اہلِ محل! میں شکرگذار ہوں کہ کسی نے میری حرکتوں کا بُرا نہیں منایا۔ یہ میری خصلت ہے یہ میری فطرت ہے اور یہ میری عادت ہے۔ میں اُس سے رُک نہیں سکتی —— میرے طوُفانوں کو روکنا امرِ محال ہے۔ میں شرارت ہُوں... مجسّم شرارت ہوں تا کہ انسان کی زندگی میں رنگینیاں پیدا کر دوں۔ بعض تو یہ سوچتے ہیں کہ میرا وجُود اِس دُنیا میں کس لئے ہے۔ مگر میرے شیدائیوں کی زندگی میرے بغیر اجیرن ہو کر رہ جائے گی۔ جب تک وُہ مجھ سے مشورے نہ لے لیں، مجھ سے کوئی طریقے نہ پُوچھ لیں، اُنہیں زندگی میں چین نصیب نہیں ہوتا۔

"میں شرارت ہوں؛ میرا وجود دُنیا کے شروع سے ہے۔ بھیا ظلم اور میری بہن ریاکاری نے یہ کہا کہ عدن کے کھیل کا بگاڑ اُن کے ہاتھوں کا کرشمہ ہے لیکن میں کہوں گی کہ اُس تمام پُرسکون منظر کو انتشار و ابتری میں تبدیل کرنا ہمارا کام تھا۔ یہی ہمارا ورثہ ہے کہ پُرسکون حالات میں انقلاب برپا کردیں۔ آدم خُدا سے باتیں کرتا تھا، وُہ اُس کے ساتھ رفاقت رکھتا تھا، لیکن ہمارے بائیں ہاتھ کے کھیل سے وُہ عدن سے باہر نکل گیا۔

میں نے بادشاہتوں میں انتشار کو جنم دیا، ساکن حالات کو پریشان کیا اور محض اپنی دِل لگی اور یسُوع کے لوگوں سے انتقام لینے کی خاطر اُن کا خُون بہا دیا۔ روم کو آگ لگانے کیلئے، اُس کا ایک منظر دیکھنے کیلئے میں قیصر نیرو کے ذہن میں سما گئی۔ میں شرارت اُس میں مُجسّم ہوگئی۔ اُس کے حکم سے رُوم بھسم ہوگیا۔ اور جب یہ آگ ٹھنڈی ہوگئی تو میں نے ایک اور ہنگامہ برپا کر دیا کہ نیرو سے کہا کہ اپنا دامن بچانے کیلئے یہ الزام مسیحیوں کے سر تھوپ دے۔ پھر اپنی چالوں سے اِسے ہوا دی تو یہ ایذا رسانی کا لاوا بن کر یسُوع کی کلیسیا میں پھٹنے لگا۔ کتنے لوگوں کو میں نے آگ میں جلایا، کتنے مسیحیوں کو میں نے یسُوع کی خاطر خُون میں لت پت کر دیا۔

"میری بہن! میں جانتا ہوں کہ جس بات کو تُم نے جنم دیا، ہم نے اُسے پروان چڑھا دیا۔ اور جو تُم نے کہا ہم نے وُہ کر کے دِکھا دیا۔" ظُلم نے بہن کی حوصلہ افزائی کرتے ہُوئے کہا۔

"بھیا! یسُوع کے لوگوں کی حوصلہ شکنی ہم سب کی اتحادی قوتوں سے ہوسکتی ہے۔ اگر ہماری فوج میں یک جہتی اور یگانگت نہ ہوگی، تو ہم اس کی کلیسیا میں اپنے مقاصد کو حاصل نہیں کرسکیں گے۔ ہاں تو میں کہہ رہی تھی کہ روم میں میں نے کلیسیا کو ستایا، دُکھ دیا، لیکن پھر بھی وُہ سرپھرے مسیحی دُکھ سہتے، ظُلم برداشت کرتے، یسُوع کے پیچھے اپنی صلیب اُٹھائے چلتے رہے۔

"اور اب دورِ حاضرہ میں پاکستان کی کلیسیا بھی میری زد سے باہر نہیں ہے۔ جیسے مجھ ...

... پہلے چند ایک نے واقعات بیان کرکے یہ ظاہر کیا کہ ...

بلکہ حال میں بھی اُن کی کارکردگی جاری ہے......"

"بہت اچھا ہوگا اگر تم کسی ایک واقعہ سے ثابت کردو کہ تُم میں ابھی تک زندگی ہے" شہنشاہ نے کہا۔

"آج سے تقریباً تیس سال پہلے سے ایک قصبہ میں یسُوع کے پیروکاروں پر مشتمل ایک کلیسیا موجُود ہے اور اِس میں ایک مشنری پروردہ خاندان بھی مکین ہے۔ لیکن ریاکاری سے لُوٹے ہُوئے پیسے سے اُس کا مقام اِن غریب مسیحیوں میں بلند ہے۔ اس خاندان میں ایک عورت ہے جسے میں فاحشہ کے لقب سے پکار سکتی ہوں۔ وُہ آفت کی پرکالہ اپنی باتوں میں لوگوں کو کُچھ اِس طرح دامِ فریب میں لے آتی ہے کہ اُس کا شکار اُس کے قدموں پر آ گرتا ہے۔ میں اُس عورت میں مجسّم ہو چکی ہُوں۔ اور اُس کے طفیل اُس کلیسیا کے اِطمینان کو کُچھ یُوں تار تار کر دیا ہے کہ دُنیا حیران ہے۔"

"مثلاً؟" ریاکاری نے کہا۔

"مثلاً جب کوئی پاسبان اُس کلیسیا میں متعین کیا جاتا ہے تو وُہ سمجھتی ہے کہ پاسبان کا ہر کام اُس کی مرضی کے مطابق ہو۔ کیونکہ مشنری صاحبوں نے اُسے احساسِ کمتری سے نکال کر اِس قدر احساسِ برتری کا شکار کر دیا ہے کہ اُس کے خیال کے مطابق دُنیا میں اُس کی رائے افضل ہے۔ اور اُس کی ہر بات لوحِ محفُوظ کے مترادف ہے جس میں تبدیلی نہیں ہوسکتی۔

گذشتہ سال کی بات ہے کہ ایک پاسبان جو اپنی ضمیر کا مالک بندۂ خُدا تھا، اُس کلیسیا کا پاسبان مقرر ہُوا تو اُس نے تہیہ کر لیا کہ وُہ اُس فاحشہ کی رائے کو نہیں بلکہ خداوند کی آواز کو افضل مقام دے گا۔ یُوں اُن میں چپقلش ہوگئی۔ اُس عورت بیگم لعزر نے کلیسیا کے

لوگوں میں انتشار کو کچھ یوں جنم دیا کہ بات بڑھ گئی، کلیسیا میں دو گروہ بن گئے۔ ایک گروہ کو تو وہ اپنی چکنی چپڑی باتوں سے اپنے دام میں جکڑے ہوئے تھے، لیکن دوسرا گروہ یسوع کا شیدائی پاسبان کے ساتھ تھا۔

انتشار بڑھا، جھگڑا ہوا، بات کوتوال تک جا پہنچی۔ بیگم لعزر نے چند سکے جو کوتوال کے ہاتھوں میں تھمائے، اُس پاسبان اور اُس کے گروہ کے چند سرکردہ لوگوں کو ذلّت کا مُنہ دیکھنا پڑا۔ پاسبان کی تو جان بخشی ہوگئی لیکن اُن شریف مسیحیوں کو زنداں کی ہوا کھانی پڑی۔

بیگم لعزر یہ جانتی تھی کہ مشنریوں کو کس طرح رام کیا جاسکتا ہے۔ اُن کے سامنے تو وہ بھیگی بلّی کی طرح خاموش رہتی ہے لیکن اپنے لوگوں پر وہ بھوکی شیرنی کی طرح حملہ آور ہو کر حالات میں انتشار پیدا کر سکتی ہے۔ وہ پاسبان لوگوں کو نجات اور نئی پیدائش پر تعلیم دینے لگا لیکن بیگم لعزر کے لبوں سے بغاوت کی چنگاریاں یوں نکلنے لگیں کہ "یہ نیا پاسبان ہماری رسمی دُعاؤں سے ہمیں ہٹا کر ایک اور اعتقاد میں پھنسانا چاہتا ہے۔ یہ پاسبان ہمارے ایمان کو خراب کرنے کیلئے نئی زندگی اور صلیب کا پیغام دینا چاہتا ہے"۔ در حقیقت وہ رسومات پہ تکیہ کرنے کو مسیحیت خیال کرتی تھی۔ وہ سوچتی تھی کہ صرف بپتسمہ لینے اور عشائے ربّانی کی عبادت میں شریک ہونے سے نجات مل جاتی ہے۔ اسی لئے پاسبان کے دعوتِ نجات دینے پر وہ مایوس ہوگئی۔ کیونکہ توبہ کیلئے شرارت اور فحاشی سے دامن چھڑانا اُسے پسند نہ تھا۔ اُسے نجات کی نسبت اِن باتوں میں زیادہ سکون ملتا تھا۔

حالات کے دھارے میں وہ بہے جا رہی تھی اور اُس کا خاوند بھی سب کچھ دیکھ کر خاموش رہتا۔ اور اُس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے ہر گاہ انتشار کیلئے اُس کا دستِ راست تھا۔ وہ دونوں کلیسیا میں یسوع کے کام کو روکنے کیلئے نمایاں کردار ادا کر رہے تھے۔ کچھ ضدی قسم

یہ لوگ بیگم لعزر کی باتوں میں نہ آئے اور یسوع کی صلیب کے پا...

افسوس ہے"۔ ...علمیت کے دبدبے

شرارت نے یہ کہا اور میں نے کیا دیکھا کہ مغربی دروازے سے چند علماء، علمیت کے دبدبے زیبِ تن کئے شرارت کی طرف چلے آرہے ہیں۔ گلے میں اُن کے صلیبیں لٹک رہی تھیں۔ اور اُن کے پیچھے کچھ لوگ جدید لباس میں ملبُوس بڑی شان سے آرہے تھے۔ محل میں داخل ہُوئے اور آکر شرارت کو سلام کیا۔ اور اُس نے نہایت گرمجوشی سے اُن سب سے مصافحہ کرتے ہُوئے اُن کا خیر مقدم کیا۔ دیگر اہلِ محل سب اُٹھ کھڑے ہُوئے، اُن علماء نے سب کو سلام کیا اور شہنشاہ کے اشارے سے ایک طرف بچھی ہُوئی چند کرسیوں پر براجمان ہو گئے۔

میں حیران تھا کہ اِن لوگوں کا اہلِ محل سے کیا رشتہ ہے۔ اُن کی آمد کا کیا مقصد ہے۔ میری اس اُلجھن کو شرارت نے اُس وقت حل کر دیا جب وہ گویا ہُوئی۔

"ابا حضُور، امی جان اور میرے بہن بھائیو! اِن نووارد مہمانوں سے ملیئے۔ یہ یسُوع کی کلیسیا کی ممتاز شخصیتیں ہیں جو ہمارے مقاصد کو پُورا کرنے کیلئے بہترین آلۂ کار ہیں۔ یہ لوگ علم الٰہی کے ماہرین ہیں، یسُوع کی تعلیم کو اچھی طرح سمجھتے ہیں، کتابِ مقدّس کے مفہوم کو خُوب جانتے ہیں، پاسبانی علوم سے واقف ہیں، لیکن ہماری مہربانیوں کی بنا پر ہمارا ساتھ دیتے ہیں۔ یہ کلیسیا کے سیاستدان حالات کے بہت بہترین نبّاض ہیں۔

"اِن کا طریقِ کار کچھ یوں ہے کہ کلیسیا میں اقتدار کیلئے سیاست کا دامن تھام کر اپنی کُرسی کیلئے طاقت آزمائی سے کام لینے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ کلیسیائی سیاست عرُوج پر ہے، اور یسُوع کے بدن کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کیلئے میرا یہ سب سے بڑا ہتھیار ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو مجالس کی باتوں اور تلخیوں کو اپنی شخصی رنجشیں بنا لیتے ہیں۔ اور اپنی شخصی اور ذاتی رنجشوں

کا انتقام کلیسیائی امُور میں لینا چاہتے ہیں۔ یہاں تک جب اجلاس میں یسُوع کی حمد، کلامِ مقدس کی تلاوت اور دُعا سے کاروائی کا آغاز ہوتا ہے، اُسے میں اکثر اوقات ایک دوسرے کے گریبان پر ہاتھ ڈالنے سے اختتام پذیر کرتی ہُوں ۔ یہ وُہ ممتاز شخصیتیں ہیں جو اِس فن میں ماہر ہیں تاکہ کلیسیا کی بہبُودی کے امُور سرانجام نہ دیئے جا سکیں ۔

" ابّا حضُور! یہ وُہ مایہ ناز شخصیتیں ہیں جن کی ہمدردیاں ہم سے اِس حد تک وابستہ ہیں کہ یہ لوگ اپنی بسراوقات کیلئے یسُوع کی کلیسیا کے خزانہ سے تنخواہ لیتے ہیں لیکن کام ہماری مرضی کے مطابق کرتے ہیں۔ دُنیا میں یہی وُہ لوگ ہیں جو زر کے حصُول کیلئے ایک مالک کے غلام ہیں اور کام کیلئے دوسرے مالک کے۔ یہ لوگ عزت افزائی کے حقدار ہیں"۔ شرارت نے یہ کہا اور شہنشاہ اُن نووارد مہمانوں سے یُوں مخاطب ہُوا ۔

" یسُوع کی کلیسیا کے میرے فرمانبردار پاسبانو اور کلیسیا کے اراکین! ہم محل میں آپ کی آمد سے بُہت مسرُور ہیں ۔ ہم آپ کے ماضی کی کارکردگیوں کیلئے بہت شُکرگذار ہیں، اور آئندہ بھی کلیسیا میں انتشار کے دھبّوں سے اِس تصویر کو خراب کرنے کیلئے ہماری بیٹی شرارت ہر قدم پر آپ کا ساتھ دے گی"۔

شہنشاہ نے یہ کہا اور چند زریں تمغے لئے اور اُن پاسبانوں کے جُبّوں پر آویزاں کر دیئے اور سروں پہ اُن کے طلائی تاج رکھ دیئے جن پہ ہوس واقتدار کے الفاظ نہایت جلی حرُوف میں کندہ تھے ۔ محل ایک بار پھر تالیوں کی آواز سے گونج گیا ۔ یہ پاسبان اور اراکینِ کلیسیا شہنشاہ کے سامنے جُھکے، سجدہ کیا اور شرارت کی قیادت میں عقبی دروازے سے باہر نکل گئے ۔

شرارت اُنہیں دروازے تک چھوڑ کر واپس آئی تو سب نے تحسین و آفرین کے کلمات سے اُسکی کارکردگی کو خُوب سراہا۔ باپ نے ایک بیش قیمت ہار اُس کے گلے میں انعام کے طور پر ڈال دیا۔ تالیاں بجیں اور اُس نے حصُولِ داد کیلئے سر جُھکا کر شکریہ ادا کیا اور واپس اپنے تخت پر بیٹھ گئی ۔

۵

شرارت بیٹھ گئی اور بعد اُس کے کیا دیکھتا ہُوں کہ سب کی نگاہیں کسی کی منتظر بار بار باہر کی طرف اُٹھ رہی ہیں ۔ دُور سے ایک نوجوان بھاگا چلا آ رہا تھا ۔ ہاتھ میں اُس کے پاس ایک تھیلی تھی اور اُس کے بھاگنے سے اُس میں سے سکّوں کی جھنکار کی آواز آ رہی تھی ۔ اندر داخل ہُوا، پھر ایک اور طلائی تخت اُبھرا اور سب نے اُٹھ کر اُس کا استقبال کیا۔ شہنشاہ اور ملکۂ عالیہ نے اُسے بوسہ دیا، دیگر اہلِ محل سے مُلاقات کی اور اُسکے بعد اپنے تخت پر بیٹھ گیا۔

" بیٹے تمہیں یاد نہ تھا کہ آج ہم سب یہاں پر اکٹھے ہوں گے"۔ ملکۂ عالیہ نے پُوچھا

" یاد تو تھا لیکن بُہت مصرُوف رہا ہُوں"۔

" ایسی بھی کیا مصروفیت کہ کام میں اِتنے مگن کہ ہماری آنکھیں آپ کو دیکھنے کو ترس رہی تھیں"۔ شرارت نے شکوہ کیا۔

" یاد رکھو! میں لالچ ہُوں اور لالچ ہمیشہ مصرُوف ہُوا کرتا ہے"۔

" تو پھر سند کے طور پر داستانِ مصروفیت پیش کرو"۔

" لو ذرا غور سے سنو۔ حالات و واقعات پُر درد اور پُر لُطف بھی ہیں۔ میں نے بڑی مشکل سے ایک کام کو ایک سال میں سرانجام دیا"۔

" ایک کام ایک سال میں مکمل ہُوا"۔ ریاکاری نے حیرت سے کہا

" بالکل سچ کہتا ہُوں۔ صرف ایک مسیحی نوجوان پر پندرہ سال کا عرصہ گذارنا پڑا۔ ہاں بھئی! ہر کام میں محنت درکار ہے۔ محنت کا پھل بُہت شیریں اور میٹھا ہوتا ہے۔ اور کام اُس وقت تک جب اِس میں مزہ نہ آنے لگے، کام نہیں بیگار ہے ۔ اور میری زندگی کا اُصول ہے کہ

ہر کام کو دلچسپی سے کرتا ہوں"۔

"آپ کسی نوجوان کا تذکرہ کرنے لگے تھے" ریاکاری نے یاد دلاتے ہوئے کہا۔

"ہاں تو کہہ رہا تھا کہ ایک مسیحی نوجوان پر مجھے پندرہ سال کا عرصہ صرف کرنا پڑا۔ نذیر مسیح اُس نوجوان کا نام تھا۔ بائیس سال ہُوئے اُس نے ایک مسیحی گھرانے میں جنم لیا۔ جہاں وُہ خبطی لوگ تلاوتِ بائبل، دُعا اور مسیحی غزلوں اور گیتوں سے دِل بہلاتے رہتے تھے۔ ماحول اردگرد کا روحانی و مذہبی تھا، گرجا گھر کی گھنٹیوں کی کرخت صدائیں فضا میں گونجتی رہتیں۔ لوگ خُدا کے سامنے سجدہ کرتے اور اُس سے دُعائیں مانگتے تھے۔ اُن کے ماحول میں کہتے ہیں کہ ایک عظیم بیداری تھی۔ لوگ گناہوں سے توبہ کرتے اور یسُوع کو اپنا نجات دہندہ تسلیم کرتے۔ میں یہ سب کچھ دیکھتا اور دیکھ کر جی میں جل جاتا۔ نوجوانوں کے سیلِ رواں کا جوش تھمتا نہ تھا۔ وُہ بڑے زور شور سے اِن عبادتوں میں حصہ لیتے۔ اِس بیداری میں بچّوں کیلئے رنگا رنگ پروگرام مرتّب ہوتے۔ اور اِن بچّوں کو مسیح کیلئے جیتنے کی خاطر بہت کچھ کرتے۔ نذیر بھی جیتا گیا"۔

"یعنی عین بچپن میں اُسے یسُوع کی خاطر جیتا گیا" ظُلم نے پُوچھا

"ہاں بالکل بچپن میں جب یہ بیداری جاری تھی۔ تاہم بیداری کا زور کچھ عرصہ کے بعد ٹھنڈا ہوگیا۔ ہم نے حالات بدل دیئے اور اب اُن لوگوں میں وُہ پہلے کا سا جوش و خروش نظر نہ آتا تھا۔ نذیر بھی بچپن کی سرحدوں کو پار کر کے اب لڑکپن میں قدم رکھ چُکا تھا اور وقت آیا کہ وُہ سنِ بلوغت تک پہنچ گیا۔ وُہ بھی بیداری کے واقعات بھُول چُکا تھا تاہم اُس کے دِل میں بچپن کی وُہ کرنیں کبھی کبھی جگمگانے لگتی تھیں"۔

"بھائی جان! کیا وُہ سالوں پہلے کی تبدیلی ابھی تک جاری تھی؟" شرارت نے سوال کیا

"ہاں بھئی! کچھ یُوں تھا کہ یسُوع کی یاد اُس کے دِل کے کسی کونے میں چھُپی ہوئی تھی۔ میں

نے سوچا کہ اگر یہ چنگاری ابھی سے نہ بجھائی گئی تو کسی وقت یہ شعلہ بن کر کہیں ہمارے لئے باعثِ نقصان نہ ہو"۔

"بھائی جان! آپ جیسے زور آوروں کو کیا نقصان ہو سکتا ہے؟" ریاکاری نے کہا۔

"میں جانتا ہُوں کہ میں اور آپ سب انسان سے زور آور ہیں۔ لیکن میں اس حقیقت کو بھی تسلیم کرتا ہُوں کہ یسُوع ہم سب سے زور آور ہے۔ اور اگر نذیر، مسیح کے ساتھ مِل جاتا تو وُہ نہ جانے کس قدر زور آور ہو کر مجھ پر غالب آنے کی کوشش کرتا۔ لیکن میں نے اُسے شجر کی چھاؤں بننے تک پہنچنے ہی نہ دیا"۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ نذیر کو میں نے ایک ایسی ڈگر پر چلا دیا ہے کہ یسُوع کی ذات سے اب دُور کا واسطہ بھی نہ رہے گا۔ نذیر یسُوع کا نذیر نہیں بلکہ اب اُس میں ہماری تصویر جھلکتی ہے۔ چند ماہ ہُوئے وُہ غیر مسیحی اوباش لوگوں سے صحبت رکھنے لگا۔ مکتبِ عشرت میں یہ پہلا سبق تھا کہ وُہ وہاں جا کر کچھ بھی نہ کرے لیکن صرف اُن کی صحبت میں رہے۔۔۔ اُس صحبت میں جہاں مے کا دَور چلتا ہے۔۔۔۔ جہاں زر کی بازی لگائی جاتی ہے۔۔۔ جہاں لوگ انسانیت کے دامن کو گناہ کے دھبّوں سے آلُود کرنے کے درپے رہتے ہیں۔ نذیر نے اُس محبت میں مے کا سرُور دیکھا تو دِل میں حصُولِ سرُور کی تمنّا پیدا ہُوئی۔۔۔ تمنّا نے تحریک دی، اور دوستوں نے اپنے حلقۂ احباب میں اُسے شامل کرنے کے لئے استقبال کے طور پر مے سے اُسے خوش آمدید کہا، آؤ بھگت کی مے کی لغزش اُس مکتب میں دوسرا سبق تھا جسے اُس نے کچھ یُوں سیکھ لیا کہ وُہ اُسے زندگی بھر نہیں بھُول سکے گا۔

"وقت گذرتا گیا اور نذیر صرف شراب کو زندگی اور زندگی کو شراب سمجھنے لگا۔ لیکن

ابھی اُسے نیسرا سبق سیکھنا باقی تھا کہ زر کی بازی لگا کر مکتب میں علم کی تکمیل کرلے۔ لیکن پاس اتنے پیسے تو تھے نہیں۔ باپ ایک معمولی ملازم تھا۔ صرف جیب خرچ کیلئے پندرہ بیس روپے مل جاتے، لیکن اِس مکتب کی فیس بُہت زیادہ تھی۔ دوستوں نے دعوت دی مگر وُہ شرمسار تھا کہ جیب میں اب صرف ایک روپیہ باقی رہ گیا تھا۔ معذرت کی اَور خاموش ہو رہا۔

"میں اب اپنی کاوشوں پر نازاں تھا کہ ہمارا یہ طالبعلم کتنی سُرعت سے تعلیم و عمل میں بڑھ رہا ہے۔ اُس کی ذہانت کی داد دیتا ہُوں۔ زر کی بازی لگانے کیلئے زر کی ضرورت تھی۔ اَور اُس میں ابھی اتنی سکت نہ تھی کہ اِس بازی کے اصُولوں کو پُورا کر سکے۔ ایک شب اپنے باپ کی جیب سے تنخواہ کے ایک سو روپے نکالے اَور اپنے مکتب کی فیس لے آیا۔ اب وُہ جُوئے بازوں کے پہلے سبق کو سیکھ چُکا تھا۔ کبھی ہار کبھی جیت، کبھی جیب خالی ہو جاتی اَور کبھی جیت سے جیب امیر ہو جاتی۔ وقت کے ساتھ ساتھ اب وُہ دوسروں کے گھروں کی خوشیاں بھی برباد کرنے لگا۔

"ایک شب جب فضا میں ہر سُو خاموشی تھی، لوگ خوابِ استراحت سے لُطف اندوز ہو رہے تھے، میں نے نذیر کو دیکھا —— جس میں ہمدردی کے جذبات شل ہو چکے تھے —— جس کی زندگی سے محبت مفقود ہو چکی تھی —— جس کی زندگی سے اِنصاف دُور —— کوسوں دُور کھڑا بے بسی کا تماشہ دیکھ رہا تھا، اپنے گھر سے اِنسانیت کا خُون کرنے کیلئے نکلا۔ تیار ہُوا، نقاب پوش ہو، ہاتھ میں نیزہ لے کر رات کی تاریکی میں غائب ہو گیا۔ پھر ایک مکان میں داخل ہُوا اَور مکین کے سرمایہ کو یُوں لُوٹنے لگا جیسے غوّاص سمندر کی تہوں میں جواہرات کو سمیٹتا ہے۔ یہ ایک غریب کا مکان تھا جس نے عرصہ سے کچھ پس انداز کر کے پُونجی جمع کر رکھی تھی۔ اَور چند دنوں کے بعد اسی سرمایہ سے اپنی بیٹی کی مانگ میں سیندور بھرنے کو تھا۔ وُہ

وُہ دوشیزہ بھی کتنی امنگوں کے ساتھ بستر استراحت پر دراز تھی۔ وُہ نیند کی آغوش میں خاموش پڑی خوابوں کی وادی میں گُم تھی۔ لیکن اُسے کیا معلوم تھا کہ اُس کے خواب ادھورے رہ جائیں گے۔ اُس کے سپنوں کی تعبیر مایوسی و ناکامی ہو گی، کیونکہ آج ہر ایک شاگرد درندہ صفت اِنسان اُس کی امیدوں کو کُچل کر اپنی عِشرت کا نِشانہ بنا رہا تھا۔ وُہ غریب کی پُونجی لُوٹ رہا تھا لیکن غریب اِس سے لاعلم تھا۔ اُسے کُچھ بھی تو معلوم نہ تھا کہ اُس کی زندگی ایک اِنسان کے ہاتھوں غم و اندوہ سے عبارت ہو گی —— اُسے کیا معلوم تھا کہ آج کی شب، صُبح کو اُس کے لئے کتنی بدشگون خبر دے گی —— اُس کی بیٹی کو کیا علم تھا کہ اُس کی زندگی اُس کے خوابوں کے راجہ سے وابستہ نہ ہو سکے گی۔ کیونکہ سماج مجبور کرتا ہے کہ بیٹی اپنے ساتھ بہت ساز و مال، سُسرال کے گھر لے کر جائے —— لیکن اب تو اُس کے پاس سوائے آنسوؤں اَور حسرتوں کے کُچھ نہ تھا۔ صُبح اُٹھے، فضا اُن کی چیخ و پُکار سے لرز اُٹھی —— اِنصاف کو میں نے چلّانے پر مجبور کر دیا۔ شرافت نے آنسو بہائے اَور زمین میں جذب ہو کر رہ گئے۔ لیکن اُدھر نذیر ے کے نشہ میں وحشت قہقہے لگا رہا تھا۔ دوستوں کے ساتھ خوش گپیوں میں مصرُوف تھا۔ آج وُہ بُہت خوش تھا کہ اُس کی محنت کامیاب رہی۔ شب کی سیاہی نے اُس کے دامن کو روپہلے سکّوں سے بھر دیا اَور اہلِ خانہ کو پتہ بھی نہ چلا۔ وُہ مکینوں کی لاعلمی پر قہقہے لگا رہا تھا اَور مکین اپنی لاعلمی پر آنسو بہا رہے تھے۔ ایک ہی شب نے ایک کو تو غم سے سوگوار کیا مگر دوسرے کو بادۂ خُم سے ہمکنار کیا۔ ایک کے ہاتھوں میں پریشانیوں کی ریکھا لرز رہی تھی تو دُوسرے کے ہاتھوں میں جامِ ے غصّے سے کانپ رہا تھا تا کہ نذیر کو اس کی ہوس کی سزا دے کر مدہوش کر دے۔ اُس کے بعد اُسے جیل بھیج دیا گیا۔

یہ سب کردار تو معاونت کے طور پر ہیں۔ اِس کہانی کا ہیرو نذیر ہے۔ اِس کی تصویر

اور ہاتھوں کے نشانات کوتوالی میں آویزاں ہیں۔ کوتوالی میں نذیر مسیح کا نام... مسیح کی بدنامی... اور بدنامی کے گہرے دھبے دیکھ کر میری رُوح کو فرحت ہوتی ہے۔ اِس ایک نذیر کی درسگاہ میں کتنے اور مسیحی نوجوان داخل ہو چکے ہیں۔ وُہ مسیحی پاسبانوں کی روائیتی باتوں کو حقارت سے دیکھتے ہیں۔ میں نے بھی اُنہیں یہی درس دیا ہے کہ زندگی میں عیش و عشرت اور آزادی کی زندگی، ہی صرف ایک عظیم حقیقت ہے"۔

"بھائی جان! کیا یہ آزادی ہے جب مجرم انسانوں کو اِنسانوں کی صف سے نکال کر، زنجیروں سے جکڑ، جیل کے اندر مویشیوں کی طرح بند کر دیا جاتا ہے۔ کیا اِسے آزادی کہتے ہیں!" شرارت نے سوال کیا۔

"ہمیں اِس بات سے غرض نہیں کہ اُن کے ساتھ کیا سلوک ہوتا۔ یہ دُرست ہے کہ اِنسانوں سے حیوانوں کی طرح سلوک ہوتا ہے۔ مگر ہم کِس مرض کی دوا ہیں، ہمارا تو کام ہی یہی ہے کہ اِنسانیت کے دامن کو گناہوں اور جرائم کے داغوں سے جہاں تک ہو سکے بدنما بنا دیا جائے"۔ لالچ نے جواب دیا۔

"ہاں تو نذیر کا ذکر چل رہا تھا، اُس کا کیا حشر ہُوا!" ظُلم نے پُوچھا۔

"نذیر اب ایک ایسی راہ پر چل چکا ہے کہ وُہ کبھی بھی مسیح کے پاس واپس نہیں جا سکتا۔ جب سے زنداں کی چاردیواری کا مُنہ دیکھا ہے، وہاں سے وُہ مزید تربیت حاصل کر کے نکلے گا۔ وُہ ایک بہت بڑا سُورما بننے کے خواب دیکھتا ہے تاکہ لوگ اُس کو دیکھ کر سہم جائیں اُس کے نام کو سُن کر کانپنے لگیں اور جہاں تک ہو سکے وُہ اِنسانیت کے گُلشن کو تاخت و تاراج کرتا رہے"۔

"کیا وہاں زنداں میں اُن کی تربیت نہیں ہوتی؟" شرارت نے استفسار کیا۔

"تربیت ہوتی ہے مگر اخلاقی اُصولوں کے خِلاف۔ جب ایک مجرم کسی طفلِ مکتب سے اپنے کارناموں کا تذکرہ کرتا ہے تو اُس کے دِل میں بھی ایسی آرزوئیں مچلنے لگتی ہیں۔ اور جب وُہ اُس کے انداز اور چالیں سُنتا ہے اور پھر وہاں سے باہر آزادی کی بہار دیکھتا ہے تو وُہ اپنے سیکھے ہُوئے سبق کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کرتا ہے۔

"نذیر نے اپنی سزا کے دِن زنداں میں گذارے، رہا ہُوا تو اپنے سیکھے ہُوئے سبق کو دُہرانے لگا۔ زر کے حصُول کیلئے پہلے وہ چور تھا، اب قاتل بھی بن گیا۔ پھر اِس جُرم کی سزا ہُوئی اور اُسے تختۂ دار پر لٹکا دیا گیا۔ یہ دیکھ کر میری خوشی کی انتہا نہ رہی کہ نذیر مسیح کے ساتھ مصلوب نہ ہُوا"۔

یہ کہہ کر لالچ خاموش ہو گیا۔ سب اہلِ محل نے لالچ کی اِس کارکردگی پر تالیوں سے خوشی کا اظہار کیا۔ شہنشاہ نے جواہرات کی ایک تھیلی اُسے انعام میں دی اور پھر سب کی نگاہیں ایک اور تخت کی طرف اُٹھی ہوئی محوِ انتظار تھیں۔

۶

میں اور میری راہنما دونوں سرگوشیوں میں محوِ گفتگو تھے اور ان تمام مناظر سے لطف اندوز ہو رہے تھے کہ یکایک طلائی تختوں پر بیٹھی ہوئی ایک اور دوشیزہ اٹھی۔ چند قدم چل کر شہنشاہ اور ملکۂ عالیہ کے تخت کے پاس پہنچ گئی۔ ماں نے بیٹی کو بوسہ دیا اور پھر دونوں ماں بیٹی باتوں میں مصروف ہو گئیں۔

میں نے اپنی راہنما سے بڑی بیقراری سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ لیکن راہنما کے جواب دینے سے پیشتر وہی دوشیزہ اہلِ محل سے یوں مخاطب ہوئی۔

"ابا حضور، امی جان، میری بہنو اور میرے بھائیو! حیران ہوں کہ جب آج آپ سے باتیں کرنے کا خوب موقع ملا ہے تو اپنی بات کا آغاز کہاں سے کروں، کیا کہوں، باتیں بہت ہیں وقت کم ہے، کونسی بات کہوں اور کونسی چھوڑ دوں"۔

"باجی جان! جو کچھ آپ کہنا چاہتی ہیں، تفصیل سے مگر اختصار سے کہہ دیجئے"۔ شرارت نے کہا۔

"عجیب معمہ ہے، تفصیل و اختصار دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں، اور ان میں سے مجھے صرف ایک پر اکتفا کرنا ہو گا"۔ اس دوشیزہ نے شرارت کو جواب دیا اور پھر دوسروں سے یوں مخاطب ہوئی۔

"جب سے مذہب نے جنم لیا ہے، اس وقت سے میری تاریخ کی کہانی کا آغاز ہوتا ہے۔ یوں سمجھ لیجئے کہ ہم دونوں جنم جنم کے ساتھی ہیں۔ مذہب بہت کچھ کہتا ہے اور بہت کچھ انسان کو سکھاتا ہے۔ ایک راہ متعین کر دیتا ہے جس پر چل کر انسان خدا کے پاس پہنچ سکتا ہے۔

لیکن پہنچ نہیں سکتا کیونکہ جسمانی ہے اور گناہ کے ہاتھ میں بکا ہوا ہے۔ نیکی کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو بدی آموجود ہوتی ہے۔ دنیا میں مختلف مذاہب نے جنم لیا ہے اور میرا اولین کام یہ ہے کہ ہر مذہب میں کچھ اس طرح سے رخنہ اندازیاں کر دوں کہ انسان حصولِ مقصد سے ناکام ہو جائے"۔

ان تمام مذاہب کے بعد خدا نے انسان کو مذہب نہیں زندگی دی۔۔۔ انسان کو خوشخبری دی۔ لیکن میں نے اس خوشخبری میں کچھ اس طرح ملاوٹ کی ہے کہ انسان اپنے آپ کو گم کردہ راہ سمجھ کر حقیقت سے آشنا نہیں ہو سکتا۔

"میری بہن! ذرا وضاحت کر دیجئو! یہ تو آپ بہت منطقی حقائق بیان کر رہی ہے۔ کچھ مثالوں سے اس پر روشنی ڈال دیں"۔ ظلم نے کہا۔

"جیسا کہ ہم سب کا اولین مقصد، خوشخبری یعنی مسیحیت کے خلاف زور آزمائی کرنا ہے میں بھی دیگر مذاہب سے قطعِ نظر اس کی مثالوں پر اکتفا کروں گی۔ اور ہماں آج تو ہمارا خاص موضوع بھی پاکستان کی کلیسیا ہے۔

"آپ سب جانتے ہیں کہ مسیحیت کی صاف اور سادہ تعلیم یہ ہے کہ انسان جب یسوع کی صلیب اور کفارہ پر ایمان لاتا ہے اور اپنے گناہوں سے توبہ کر کے یسوع کو اپنا شخصی نجات دہندہ قبول کرتا ہے تو وہ شخص زندگی کا وارث بن جاتا ہے۔ ایمان اس کا محور ہے اور صلیب انسان کی پتوار ہے جس سے زندگی کی یہ نیا طوفانی لہروں میں آسمانی ساحل کی طرف رواں دواں رہتی ہے۔ یاد رکھو! صلیب ہماری دشمن ہے، ایمان ہماری جڑ ہے اور یسوع ناصری ہمارا مخالف ہے۔

اس لئے اپنی نفرت کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کیلئے میں اس تعلیم میں کچھ یوں تبدیلی

کر دیتی ہُوں کہ کسی ایک پہلو پر اِس قدر زیادہ زور دیتی ہوں کہ مسیحیت کے علمبردار مختلف فرقوں میں بٹ جاتے ہیں، خاص کر یہ سہرا میں نے اہلِ مغرب کے سر پر باندھا ہے۔ اُن کے پاس دولت ہے اور اُن کے پاس وسائل ہیں۔ اِس لئے اہلِ مغرب کے کسی رہبر کے ذہن میں مسیحیت کے صرف ایک پہلو پر زور دیتی ہُوں کہ وُہ دوسرے پہلوؤں سے قطع نظر اپنی بات کو منوانے کیلئے چل نکلتا ہے۔ مشرق کے مسیحی لوگ غربت و افلاس کی چکّی میں پِستے ہیں۔ اور جب یہ مغربی مشنری اپنے غلط اور میرے سکھائے ہُوئے نظریات کو روپوں کی کتاب سے پاکستانی مسیحیوں کو سکھاتے ہیں تو وُہ اُنہیں مذہبی اصولوں کی بِنا پر نہیں بلکہ روپے کے لالچ میں اُنہیں نہایت آسانی سے قبول کر لیتے ہیں۔

"بیٹی! کیا تم چند ایک ایسی قسم کے لوگوں کے نام بتا سکتی ہو؟" ملکۂ عالیہ نے پُوچھا۔

"ضرور، کیوں نہیں امّی جان! میں نہایت تفصیل سے بتا سکتی ہوں لیکن پھر بھی ذرا اختصار سے کام لوں گی۔ ایسے فرقوں میں ایک تو وُہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے سیاسی ہتھکنڈوں کو مذہبی رنگ میں بدل کر اپنی آتشِ اِنتقام کو ٹھنڈا کرنے کا سامان پیدا کیا ہے۔ یہ وُہ لوگ ہیں جنہیں یسُوع کو اِعلانیہ بے عزت کرنے میں کوئی عار محسُوس نہیں ہوتا۔ یہ یسُوع کے نام میں حاصل کئے ہُوئے روپے کو عدالت میں، کوتوالی میں اور رشوت ستانی میں صرف کر کے یسُوع کے نام کو خُوب بدنام کرتے ہیں۔ کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ ایسے لوگ خُدا کے بندے ہیں۔ لیکن کیا معلوم کہ درپردہ اُن کی کیا سازشیں ہیں۔ وُہ ظاہراً مسیح کے لوگ ہیں لیکن باطن میں وُہ میرے ہیں، اور میرے رہیں گے اور یسُوع حسرت بھری نگاہوں سے اُنہیں دیکھتا رہ جائیگا۔ وُہ زندگی کی مُنادی کرتے ہیں، لیکن خود اُس سے واقف نہیں......"

"کچھ ایسے لوگ ہیں جن کے ذہن میں میں نے یہ بات سمو دی ہے کہ صرف غوطہ کے بپتسمہ ہی میں نجات ہے۔ میں اِس تعلیم کو خُوب سمجھتی ہُوں اور میں جانتی ہُوں کہ نجات یسُوع کے لہُو میں ہے، بپتسمہ صرف اِس کا ایک ظاہری نشان ہے۔ اور میں نے اِسے کچھ یوں توڑ مروڑ دیا ہے کہ کلیسیائیں بٹ کر رہ گئی ہیں۔ حالانکہ وُہ ڈاکو جو صلیب پر یسُوع کے دہنی طرف مصلُوب ہُوا، اُسی دِن بغیر بپتسمہ کے یسُوع کے ساتھ فردوس میں چلا گیا۔ اور اب میں نے اِس رسم کو اِس قدر ہوا دی ہے کہ غوطہ سے بپتسمہ یافتہ مسیحی دوسروں کی نجات پر شک کرتے ہیں۔

"علاوہ ازیں میں نے کلیسیا میں اِس خیال کو بھی جنم دیا ہے کہ صرف 'یسُوع کے نام سے' بپتسمہ لینے میں نجات ہے۔ حالانکہ خُود یسُوع نے 'باپ، بیٹے اور رُوح القدس کے نام پر' بپتسمہ دینے کیلئے اپنے شاگردوں کو تلقین کی تھی۔

"پھر کچھ ایسے لوگ ہیں جن کو میں نے خوشخبری کی راہ سے گمراہ کرنے کیلئے صرف اپنے اعمال پر تکیہ کرنے کیلئے تعلیم دی ہے کہ ایمان سے زیادہ اُن کے اعمال ضروری ہیں۔ اور اِس کا مطلب ہے کہ صلیب پر ایمان نہیں، اعمال وسیلۂ نجات ہے۔ نجات بوسیلۂ اعمال ایک غیر مسیحی نظریہ ہے کہ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ اِنسان کے روزہ رکھنے، خیرات کرنے اور ریاضت سے اُنہیں نجات مِل جائے گی۔ یہ تو کچھ یونہی ہے کہ مجرم مُنصف سے کہے کہ 'اے منصف! چوری کے مقدمہ میں مجھے بری کر دے کیونکہ میں خیرات بھی کرتا رہا ہُوں۔' لیکن مُنصف مُعاف کرنے کو تیار نہیں کیونکہ بحیثیت مُنصف اُس کی اِنصاف میں دلچسپی ہے، اُس کے اچھّے اعمال میں نہیں۔ اِسی طرح خُدا انسان کو اُس کے گناہوں کی ضرور سزا دیتا ہے۔ اُسے اُس کے نیک اعمال سے غرض نہیں۔ یسُوع کی خوشخبری یہ

ہے کہ اُس نے اِنسان کے گناہوں کا کفارہ دے دیا ہے۔ اور انسان کی موت کو اپنی موت میں برداشت کرلیا ہے۔ اور جو شخص ایمان لاتا ہے کہ یسُوع اُس کا نجات دہندہ ہے، تو عادِل خدا یسُوع کی موت میں اِنسان کو زندگی کا وارث بنادیتا ہے۔ لیکن میری حتی المقدور یہی کوشش ہوتی ہے کہ اِنسان اِس بھید کو سمجھنے نہ پائے"۔

شہنشاہ نے اپنی بیٹی کو اُس کے حُسنِ کارکردگی پر مبارک باد دی۔ اور ایک بیش قیمت ہار اُس کے گلے میں ڈال دیا جس پر لکھا ہُوا تھا "بدعت کی شہزادی"۔ اور پھر تالیوں کی گونج میں بدعت اپنے تخت کی طرف بڑھنے لگی۔

۷

بدعت ابھی جاکر اپنے تخت پر بیٹھی ہی تھی کہ چاندی کا ایک تخت متحرک ہُوا اور دوسرے تختوں سے بلندی پر فضا میں آکر ٹھہر گیا۔ سب کی نگاہیں اُس طرف مرکوز تھیں ایک شکیل جوان اُس تخت پر متمکن تھا۔ نگاہوں میں اُس کے ایک خاص قسم کے طلسم سے اُس کی شخصیت باوقار نظر آرہی تھی لیکن میری نظروں میں وُہ کچھ جچا نہ تھا۔

شہنشاہ کے دوسرے بیٹوں اور بیٹیوں میں قیل وقال شروع ہوگئی کہ "تخت کی یہ بلندی چہ معنی دارد۔ اُسے کوئی حق نہیں کہ ہم سے اپنا تخت بلند کرے۔ اُسے ہم پر کیا فوقیت ہے کہ اُسے یہ جُرأت ہُوئی"۔ ظُلم اور شرارت آگے بڑھے اور اُنہوں نے اُس نوجوان کو گریبان سے پکڑنے کی کوشش کی کہ اُسے نیچے اُتار دیں۔ قریب تھا کہ ایک ہنگامہ برپا ہو جاتا۔ مگر شہنشاہ نے اپنی گرجدار آواز میں ظُلم اور شرارت کو ڈانٹا۔

"یہ کیا حماقت ہے؟ یاد رکھو، اگر تم میں پھوٹ پڑ گئی اور تمہارا آپس میں اتحاد نہ رہا تو یسُوع کی بادشاہت کے کام کو روکنے کیلئے تم کیونکر کامیاب ہوگے"۔

"ابّا حضور! ہم اپنے قصور کیلئے معافی کے خواستگار ہیں"۔ دونوں نے یک زبان ہو کر کہا۔

"اِس معافی کے ساتھ تمہیں یہ بھی تسلیم کرنا ہوگا کہ ہمارے بیٹے 'غرور' کا سر تم سب سے اُونچا ہو۔ اُسے یہ اختیار میری طرف سے حاصل ہے کہ اُس کا درجہ تم سب سے بلند ہو۔ شہنشاہ نے کہا۔

"ابّا جان! ہم سب بھیّا کے اِس اختیار کو تسلیم کرتے ہیں"۔ سب بچے یک زبان ہو کر بولے۔

اِس کے بعد شہنشاہ تمام بچوّں سے یُوں مخاطب ہُوا۔

"ہمارا بیٹا غروُر میرا پہلوٹھا بیٹا ہے۔ اُس کی باتوں میں حلاوت اور کارناموں میں جاذبیت ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ وُہ بھی ہمارے سامنے ماضی کے کچھ واقعات اور واقعات حال سے اپنی کارکردگی کا اظہار کرے"۔

شہنشاہ نے یہ کہا اور اُس کے بعد غرُور اہلِ محل سے گویا ہُوا۔

"سب سے پہلے تو میں اِس بات کی وضاحت کروں گا کہ ابھی جو قیل وقال ہُوئی ہے اور میری فضیلت کو موضوعِ بحث بنایا گیا، میں کہتا ہوں کہ میں افضل ہُوں... میں تُم سب میں اعلےٰ ہُوں کیونکہ میں پہلوٹھا ہوں اور میں آسمانی مقاموں میں اپنے باپ سے پیدا ہُوا۔ گو مجھے اور ابّا حضُور کو آسمانی مقاموں سے نِکال دیا گیا، تاہم یہ ہماری شکست نہیں۔ ہم اب بھی بنی نوعِ اِنسان یعنی خُدا کی مخلُوق سے برسرِ پیکار ہیں۔ آپ سب کے کارنامے اعلےٰ ہیں لیکن فضیلت و برتری کا صرف میں حقدار ہُوں"۔

غرُور نے کچھ انداز سے کہا کہ سب مرعُوب ہو گئے اور استدعا کی کہ وُہ بھی اِنسان اور مسیح کی مخالفت میں اپنے کارناموں کا تذکرہ کرے۔

"اہلِ خانہ! میری قوّت اور شہ زوری کا اندازہ آپ اِس بات سے لگا سکتے ہیں کہ کتابِ مقدّس میں میری بابت لکھا ہے کہ "خُدا مغروروں کا مقابلہ کرتا ہے"۔ یہ نہیں لِکھا کہ وُہ شرارت کا مقابلہ کرتا ہے یا ظُلم کا مقابلہ کرتا ہے۔ بلکہ وُہ صرف مغرور کے خلاف برسرِ پیکار ہوتا ہے جس میں میری ذات مکین ہوتی ہے۔ درپردہ خُدا میرا مقابلہ کرتا ہے۔ نتائج سے ہمیں کوئی گِلہ نہیں لیکن میرے لئے یہی باعثِ فخر ہے کہ اِس کائنات کا خالق میرا حریف ہے۔

تاریخ میں خُدا کی مخلوق آدم اور حوّا کو دیکھو کہ میں اُن میں سما گیا اور اُن کے دِل میں آرزُو پیدا کی کہ وُہ خدا کی مانند نیک و بد میں تمیز کرنے والے بن جائیں گے۔ میں فرعون کے دِل میں سما گیا اور اُس پر اِس حد تک قبضہ کر لیا کہ اُسے سِکھا دیا گویا کہ وُہ خُدا ہے۔ اِسی لئے وُہ خُدا کی آواز کو کوئی وقعت نہیں دیتا تھا۔ پھر جاتی جولیت جیسے شہ زور کو شہ زوری کے تصوّر سے مغرُور بنا دیا۔ انجام سب کا ہلاکت ہے لیکن میری چالبازی یہ ہے کہ خُدا جب مجھُ سے مقابلہ کرتا ہے تو مغرور تو لقمۂ اجل بن جاتا ہے اور میں اُس کے جسدِ خاکی سے نِکل کر کِسی اور میں منتقل ہو جاتا ہُوں"۔

"بھیّا! موجُودہ دور کا کوئی دلچسپ سا واقعہ سنائیے"، شرارت نے درخواست کی۔

"دلچسپ سا واقعہ، ہر ایک واقعہ دِلچسپ ہے... ہر بات پُرلطف ہے۔ تو بھی ذہن میں ایک واقعہ اُبھرا ہے، لو سنو! پاکستانی کلیسیا میں ایک مسیحی گاؤں ہے جس میں ایک شخص بنام شمعوّن گذشتہ کئی سالوں سے سکُونت پذیر ہے۔ وُہ مسیحی خاندان ہے، خُدا کے بہُت قریب رہنے والے لوگ ہیں۔

"چند سال ہُوئے شمعُون کے گھر میں لڑکیاں ڈھولک کی تھاپ پر گاتی ہُوئی کبھی دُولہا کی برات، کبھی دُلہن کی رُخصتی اور کبھی دُولہا دلہن کے گلے شکوے اپنے گیتوں میں الاپ رہی تھیں۔ شمعوّن کے بیٹے یعقُوب کی شادی تھی، باپ کا ایک ہی بیٹا تھا اور پھر گھر میں کسی چیز کی کمی نہ تھی۔ دُلہن کیلئے ہر چیز تیار کی گئی اور ان چیزوں کی نفاست دیکھ کر دیکھنے والوں کی آنکھیں خیرہ ہو جاتیں۔ سب کچھ تیار ہو گیا اور میں یکایک شمعوّن کے ذہن میں سما گیا اور بے اختیار اُس کے مُنہ سے نِکل گیا "اب تو ہم دُلہن کو کان سے پکڑ کر لے آئیں گے"۔ اور وہیں سے خُدا کا میرے ساتھ مقابلہ شروع ہو گیا۔

برات شہنائیوں کی دُھنوں میں آہستہ آہستہ روانہ ہُوئی۔ لڑکیاں برات کو الوداع کہنے کیلئے گاؤں سے باہر تک آئیں اور برات کو رُخصت کر کے واپس چلی گئیں۔ یہ سب چلتے ہُوئے نزدیک ہی ریل گاڑی کے سٹیشن پر پہنچ گئے۔ وہاں پھر شمعون نے اُسی جُملہ کو دُہرایا۔ کیونکہ اب میں نے اُسے مغرور بنا دیا تھا۔ مغرور بھی کیوں نہ ہوتا، سب کچھ پاس تھا اور کسی چیز کی کمی نہ تھی۔ گاڑی آ گئی اور سب براتی اُس میں سوار، دُلہن کے گھر کی طرف رواں دواں تھے۔ ریل گاڑی سے اُترے اور شہنائیوں کی دُھنوں میں گھر پہنچ گئے۔ دُلہن کا گھر قمقموں سے جگمگ جگمگ کر رہا تھا۔ عورتیں اپنے نفیس لباسوں میں ملبوس اپنی امارت کا اظہار کر رہی تھیں۔

"لیکن یکایک سب خوشیاں ایک ہی لمحہ میں غم میں تبدیل ہو گئیں۔ وُہ صندُوق جس میں دُلہن کے کپڑے اور زیورات تھے، اُترتے ہُوئے گاڑی میں رہ گیا۔ اور پھر سماج کی رسموں میں یہ ایک لازمی حصہ ہے کہ دُلہن زیورات کے بغیر شادی کو نامکمل خیال کرتی ہے۔ دُولہا کے باپ شمعُون نے دُلہن کے باپ سے سارا واقعہ کہہ سُنایا۔ مگر کوئی بھی تو یقین نہ کرتا تھا۔ ایک ہنگامہ برپا ہو گیا اور دُولہا کو واپس خالی ہاتھ لوٹنا پڑا۔ اور دُلہن بھی اپنی تمام اُمنگوں کو اپنے دل میں لئے ہُوئے رنج و محن کے آستانوں پر سر ٹیکتی رہی۔ میں نے شمعُون کو مغرور بنا دیا تھا اور خُدا نے اُس کا مقابلہ کیا اور اُسے ناکام واپس لوٹنا پڑا۔

"یہ کہانی کا انجام ہے؟" ریاکاری نے پُوچھا۔

"نہیں! یعقُوب دُولہا بنا، دل میں لاکھوں تمنّائیں لے کر گیا تھا۔ مستقبل کے حسین گھروندے اپنے تصوّرات میں بنا ڈالے لیکن ہم نے یہ گھروندے حرفِ غلط کی طرح

مٹا دیئے۔ اُس کی آرزوؤں نے دم توڑا اور پھر اُسے دُنیا والوں کے سامنے ذلّت کا نشانہ بننا پڑا۔ ہر کوئی اُسے دیکھتا اور عجیب مسکراہٹوں سے اُس کے زخموں پر نمک پاشی کر دیتا۔ یعقُوب کے دِل میں آتشِ اِنتقام سلگنے لگی اور ایک دِن یہ شعلہ کی صُورت میں ظاہر ہو گئی۔ یعقُوب اُٹھا اور دُلہن کے گھر کی طرف روانہ ہُوا، دِن کے اُجالے میں نہیں بلکہ رات کی تاریکیوں میں، براتیوں کے ساتھ نہیں بلکہ تن تنہا چل نکلا۔ دُلہن کے گھر کے باہر اُس کا بھائی گرمیوں کی اس رات کو پڑا بے خبر سو رہا تھا۔ اِدھر اُدھر دیکھا پھر تلوار کے ایک ہی وار سے اُس کا کام تمام کر دیا۔ اگلے دِن اخباروں میں جلی حُروف میں خبر چھپ گئی "دُولہا نے دُلہن کو حاصل کرنے کیلئے اُس کے بھائی کو قتل کر دیا"۔ کسی اخبار نے لکھا "دُولہا نے دُلہن کو اُس کے بھائی کا خُون تحفہ میں پیش کیا"۔ یعقُوب مفرور تھا۔ شمعُون کو پولیس نے ڈرایا دھمکایا کہ بیٹے کی مُخبری کرے لیکن اُسے کیا معلُوم تھا کہ مفرور کہاں ہے۔ آخرکار یعقوب پکڑا گیا، مقدمہ چلا، خُون کی سزا دار پر انصاف نے اپنا تقاضا پُورا کیا۔ شمعُون، اُس کی بیوی اور سب رشتہ دار یعقُوب کی موت پر گریہ کناں تھے... جسے حجلۂ عرُوسی تو میسّر نہ ہُوا بلکہ گور نے اُسے اپنی گود میں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے سُلا لیا... میری بہن ریاکاری یہ ہے اُس کہانی کا انجام"۔ غرُور نے نہائیت فخر سے کہا۔

"شکریہ بھائی جان! کچھ اور کہیئے"۔ ظُلم نے کہا۔

"اور اِس کے علاوہ میں یہ کہُوں گا کہ میں جسمانی لوگوں میں سما جاتا ہُوں اور اُنہیں نارِ جہنم کا وارث بنا کر چھوڑتا ہُوں۔ میں رُوحانی لوگوں میں سما کر اُن کو ابدی وراثت سے محرُوم کر دیتا ہُوں۔ ماضی کے فریسی میرے شاگرد تھے جو مذہبی فرائض

سرانجام دینے کے ساتھ ساتھ سنگدل اور مغرور بن گئے۔ انسانیت سے اُن کی محبت کو میں نے یُوں کافُور کر دیا جیسے صحرائے لق و دق میں راہرو کا وجُود مِٹ جاتا ہے۔ آج سے تقریباً دو ہزار سال قبل یسُوع ناصری نے ایک تمثیل پیش کی جس میں اُس نے بتایا کہ فریسی اپنے روزے اور دہ یکی پر فخر کرتا ہے۔ وُہ اپنے ہاتھوں میں اپنے اعمال کو دیکھ کر مغرور تھا اور محصول لینے والے شخص سے متنفر تھا جس کی بنا پر وُہ ہیکل سے خُدا کی برکت سے محرُوم رہ گیا۔

"یہ صرف ماضی کی داستانیں اور واقعات نہیں ہیں بلکہ آج بھی زندگی کے صفحات پر آئے دِن ایسی بیشمار کہانیاں لکھی جاتی ہیں۔ آجکل بھی بہت سے مسیحی ہیں جن کو میں رُوحانی طور پر مغرور بنا دیتا ہُوں اور اُنہیں احساس دِلاتا رہتا ہُوں کہ وُہ دوسروں سے بہتر ہیں اور گنہگاروں سے محبت نہ رکھیں۔ حالانکہ یسُوع اُن کا راہنما گنہگاروں کا دوست تھا۔ وُہ گنہگاروں سے محبت رکھتا تھا اور یہی مسیحی زندگی کا سُنہری اصُول ہے۔ لیکن ایسے نام نہاد مسیحی رُوحانی لوگوں کو میں نے خودی کے کانٹوں میں اُلجھا دیا ہے۔ وُہ دَورِ حاضرہ کے فریسی ہیں جنہیں میں نے کھوکھلی زندگی بسر کرنے پر مجبُور کر دیا ہے۔"

عزوؔر نے یہ کہا۔ شہنشاہ خُود اپنے تخت سے اُٹھا اور جا کر عزوؔر کے سر پر سونے کا ایک تاج رکھ دیا جس پر 'عظیم فرمانروا' کے حرُوف کندہ تھے۔ جس سے عزوؔر کا سر اور اُونچا ہو گیا۔ اُس کی اِس فضیلت پر بہن بھائیوں نے باپ کے ڈر سے بادلِ نخواستہ تالیوں سے تحسین و آفرین کے جذبات کا اظہار کر دیا۔

۸

عزوؔر کی کارکردگی سے شہنشاہ کے سب بچوں پر کچھ افسردگی سی چھائی ہُوئی تھی تو بھی سب مجبوراً خوشی کا اظہار کر رہے تھے کہ ایک اور دوشیزہ اُٹھی۔ نیلگوں آنکھیں دراز قد، سیاہ زُلفیں جس کے شانوں پہ کھیل رہی تھیں، تخت سے اُتری اور ایک انجانی سی زبان میں کچھ کہا اور محل کی سُرخی سیاہی میں تبدیل ہونے لگی۔ سب دنگ تھے اور اور پھر وُہ بڑبڑانے لگی اور ظُلم، ریاکاری، شرارت، بدعت اور عزوؔر کے تخت سب ہوا میں معلق ہو گئے۔ پھر اُس نے کچھ اور کہا اور سب زور زور سے ہچکولے کھانے لگے مگر گرتے بھی نہ تھے۔ دوشیزہ کے سُرخی مائل ہونٹوں سے پھر کچھ کلمے نکلے اور ماحول پھر اپنی حالت پر آ گیا اور وُہ یُوں مخاطب ہُوئی۔

"مجھے ساحرہ کہتے ہیں جسے ابا حضُور کی قوتوں سے قانُونِ قُدرت کے خلاف کام کرنے پر بھی قُدرت حاصل ہے۔ میں اپنی سحر انگیز قوتوں سے ایسی شعبدہ بازی کا اظہار کر سکتی ہُوں کہ عاقل سے عاقل لوگ بھی دنگ رہ جاتے ہیں۔ اور آج دوسروں کی طرح میں بھی پاکستان کی کلیسیا میں اپنے سحر سے متعلق کچھ کہوں گی۔

گذشتہ سال میرے ایک چیلے نے چالیس رات باہر جنگل میں بیٹھ کر چلّہ کاٹا اور رات کی ان تنہائیوں میں مجھ سے قوتِ اعجازی کے حصُول کیلئے میرے سامنے سربسجود رہا۔ مجھے اُس کی بندگی اِس قدر بھا گئی کہ میں اُس پہ مہربان ہُوئی اور اُسے اُس کی تمناؤں کا گوہرِ مقصُود دیدیا۔ اور وُہ اِس ریاضت کے بعد اپنی شعبدہ بازی دکھانے کیلئے ایک گاؤں کی طرف چل دیا۔ چند غیبی قوتیں اُس کی مدد کیلئے مقرر کر دی گئیں۔

کہ جب وُہ اُنہیں یاد کرے تو وُہ فوراً اُس کا حُکم بجا لائیں اور اُس کی ہر آشا کو پُورا
کرنے کے لئے کام کریں۔ سادھُو کی روانگی پر میں نے ایک صلیب چاندی کی بنی ہُوئی
اُس کے گلے میں حمائل کر دی اور انجیل اُس کے ہاتھوں میں تھما دی۔

وُہ گاؤں میں پہنچا تو کُچھ مسیحی لوگ درختوں کی چھاؤں میں بیٹھے خوش گپیوں میں
مصرُوف تھے۔ جونہی سادھو اُن کے پاس گیا تو اُس کی صلیب کو دیکھ کر سب
اُس کی طرف متوجہ ہُوئے اور اُسے یسُوع کا بندہ تصوّر کرنے لگے۔ سادھُو نے موقع
سے جو فائدہ اٹھایا تو ایک شعبدہ دکھایا۔ ایک شخص سے کہا "ذرا دکھاؤ اپنے ہاتھ"۔
اُس نے جب دکھائے تو سادھُو نے سوال کیا۔ "اُن میں کیا ہے"؟ جواب ملا "کُچھ بھی
نہیں"۔ پھر کہا گیا کہ 'اِن ہاتھوں کو بند کرو'۔ جب ہاتھ بند ہو گئے تو میں نے چند بدارواح
کی مدد سے چند سکّے اُس کے ہاتھوں میں تھما دیئے۔ جب ہاتھوں کو اُس نے کھولا
تو یہ سکّے دیکھ کر سب دنگ رہ گئے۔ اور وُہ اُس وقت سے اُس کی پرستش
کرنے لگے۔ اور اُسی سے مُرادیں مانگتے تھے"۔

"مگر یسُوع کی مخالفت میں اس میں کیا عمل ہے"؟ بدعت نے پُوچھا۔

"یہ کہ یسُوع پر نہیں بلکہ لوگوں کی نگاہیں اُس سادھو پر جمی ہُوئی تھیں۔ اور
اُس مسیحی سادھُو نے ہر حربے سے اُنہیں مسیح یسُوع کی ذات سے مُنہ موڑنے اور اپنی
طرف متوجہ کرنے کے لئے اِستعمال کیا۔ اور لوگ اب کسی بھی خادم الدین کو خاطر
میں نہ لاتے تھے۔ کیونکہ اُن کیلئے وُہ مسیحی سادھُو ہی سب کُچھ تھا۔ یُوں اُس کلیسیا میں
یسُوع کا کام بند ہو گیا اور ہمارا کام شروع ہو گیا تھا"۔

ساحرہ نے یہ کہا اور تالیوں کی گونج سے کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔

شہنشاہ نے ایک کتاب سونے کی ایک طشتری میں رکھ کر تحفتہً ساحرہ کو پیش
کی۔

"یہ کونسی کتاب ہے"؟ میں نے اپنی راہنما سے پُوچھا۔

"اے آدم خاکی! اِس کتاب میں جادُو کے علوم لکھے ہُوئے ہیں جسکی ساحرہ
کو ضرورت ہے"۔ راہنما نے جواب دیا۔

ساحرہ نے اپنا انعام لیا اور واپس تخت پر جا کر بیٹھ گئی۔

لیکن اچھا ہُوا کہ آپ نے میرے دیئے ہُوئے درس کو خُوب ذہن نشین کر لیا ہے کہ خُدا باپ سے بحالیٔ تعلقات کی چنداں ضرورت نہیں بلکہ یہ ضروری ہے کہ دُور دراز مُلک میں مُسرف بیٹے کو ریلیف بھیج دی جائے۔ اُس کے چیتھڑے اُتار کر وہیں پر کوئی اُسے نفیس پوشاک پہنا دے۔ اور اُس کی آتشِ شکم کو بُجھانے کے لئے وہیں سوٗروں کے پاس کوئی اُسے نان ونفقہ بھی بھیج دے۔

آپ کلیسیا کے راہنما ہیں اور لوگ آپ کی باتوں کو غور سے سُنتے ہیں۔ اسلئے آپ آزاد خیالی کی زہریلی پُڑیاں نہائیت آسانی سے فروخت کر سکتے ہیں۔ لوگ آپ سے روٹی مانگتے ہیں اور آپ اُنہیں پتھّر دیتے ہیں۔ اِن کاوشوں کیلئے ہر گام پہ میں آپ کا مددگار رہُوں گا۔

اب میری طرف سے، ملکۂ عالیہ اور ہمارے سب بچّوں کی طرف سے آپ سب پہ ہمارا سایہ قائم رہے۔

آپ کا محسن

ابلیس و شیطان

میں نے ابھی خط کو ختم کیا ہی تھا کہ ظُلم کے پاؤں کو جنبش ہُوئی۔ پھر آنکھیں کھولیں اور ریاکاری کو جھنجوڑ کر پُوچھنے لگا۔

"وہ ابا حُضور کا خط کہاں ہے؟"

"وہ دیکھو تو آدمِ خاکی کے ہاتھ میں کیا لرز رہا ہے"، ریاکاری نے میری طرف اِشارہ کرتے ہُوئے کہا۔

یہ سُن کر ظُلم تلوار لے کر میری طرف بڑھا کہ محل میں آگ کا ایک شُعلہ بلند ہُوا

اور پھر یہ شُعلہ بڑھتا گیا اور تمام اہلِ محل کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ کیا دیکھتا ہُوں کہ شہنشاہ جل رہا ہے۔ ملکۂ عالیہ 'شیطان کی دُلہن' نافرمانی اور تمام بچّے ظُلم، ریاکاری، بِدعت، شرارت، غرُور، عِشرت، ساحرہ اور رقاصہ سب پڑے آگ میں جل رہے ہیں... تڑپ رہے ہیں، مدد کے لئے چلّا رہے ہیں لیکن کوئی بھی نہیں سُنتا تھا۔ آگ کے شُعلے بڑھتے رہے حتیٰ کہ دریچہ تک آ پہنچے۔ آگ کی تپش جو محسُوس ہُوئی تو میں ہڑبڑا کر اُٹھا.... سپنا ٹُوٹ گیا تھا۔ اور شیطان کی دُلہن اور اُس کے بچّے اب بھی میرے تصورات میں آگ کے شعلُوں کی لپیٹ میں جل رہے تھے۔

مصنف کی دیگر تصانیف و تراجم

تصانیف

۱- خون کی جیت
۲- باون وعظ
۳- علم الواعظ (زیر طبع)
۴- مسیحی تہواروں پر ۳۰ وعظ (زیر طبع)

تراجم

۱- مسیحی طریق حیات
۲- سب قوموں کو
۳- یروشلیم کی بیٹیاں
۴- یسوع مسیح دور حاضر میں
۵- الہی راستبازی
۶- ابن آدم از خلیل جبران (زیر طبع)
۷- تعارف عہد جدید (زیر طبع)

مسٹر بی۔ ایم۔ شمس نے طفیل آرٹ پرنٹرز لاہور سے چھپوا کر نیو سرزنگ لاہور سے شائع کیا۔